جلد 23 شمارہ 3 ماہ مارچ 2021ء رجب/شعبان 1442ھ

سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا تعارف اور اغراض ومقاصد

- سلسلہ عالیہ توحیدیہ ایک روحانی تحریک ہے جس کا مقصد کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے مطابق خالص توحید، اتباع رسول، کثرت ذکر مکارم اخلاق اور خدمت خلق پر مشتمل حقیقی اسلامی تصوف کی تعلیم کو فروغ دینا ہے۔
- کشف وکرامات کی بجائے اللہ تعالیٰ کے قرب وعرفان اور اس کی رضا ولقاء کے حصول کو مقصود حیات بنانے کا ذوق بیدار کرنا ہے۔
- حضور ﷺ کے اصحاب کی پیروی میں تمام فرائض منصبی اور حقوق العباد ادا کرتے ہوئے روحانی کمالات حاصل کرنے کے طریقہ کی ترویج ہے۔
- موجودہ زمانے کی مشغول زندگی کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے نہایت مختصر اور سہل العمل اوراد واذکار کی تلقین۔
- غصہ اور نفرت، حسد وبغض، تجسّس وغیبت اور ہوا وہوس جیسی برائیوں کو ترک کر کے قطع ماسواء اللہ، تسلیم ورضا عالمگیر محبّت اور صداقت اختیار کرنے کو ریاضت اور مجاہدے کی بنیاد بنانا ہے۔
- فرقہ واریت، مسلکی اختلافات اور لا حاصل بحثوں سے نجات دلانا۔ تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کی اہمیت کا احساس پیدا کر کے اپنی ذات، اہل وعیال اور احباب کی اصلاح کی فکر بیدار کرنا ہے۔
- اللہ تعالیٰ کی رضا اس کے رسول ﷺ کی خوشنودی اور ملت اسلامیہ کی بہتری کی نیت سے دعوت الی اللہ اور اصلاح وخدمت کے کام کو آگے بڑھانا اپنے مسلمان بھائیوں کے دلوں میں قلبی فیض کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی محبّت بیدار کرنا اور روحانی توجہ سے ان کے اخلاق کی اصلاح کرنا ہے۔

ماہنامہ

فلاحِ آدمیّت گوجرانوالہ

عالمگیر محبت اور بنی نوع انسان کی اصلاح و فلاح کا علمبردار

فلاحِ آدمیّت

بیاد
خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ
بانی سلسلہ

محمد صدیق ڈارؒ
بانی مجلہ فلاح آدمیت

نگران و سرپرست اعلیٰ: جناب محمد یعقوب توحیدی
شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ
0344-9000042

مجلس ادارت

مدیر: احمد رضا خان 0321-6400942

معاون مدیر: شہزاد محمود بخاری 0301-7430525

نائب مدیر: سید رحمت اللہ شاہ 0333-4552212

خالد مسعود، وحید احمد پیر خان
حافظ محمد یٰسین، عبدالقیوم ہاشمی
پروفیسر محمد شبیر شاہد ہوتوانی
ماجد محمود توحیدی

ترسیل: فہد محمود ، محمد ریاض

شیخ سلسلہ و مدیر سے رابطہ

مرکز تعمیر ملت (ڈاکخانہ سیکنڈری بورڈ) وحید کالونی کوٹ شاہاں گوجرانوالہ

ای میل: info@tauheediyah.com Ph: 055-3411030

Website www.tauheediyah.com

پبلشر عامر رشید انصاری نے معراج دین پرنٹرز مچھلی منڈی لاہور سے چھپوا کر مرکز تعمیر ملت، جی ٹی روڈ گوجرانوالہ سے شائع کیا

قیمت شمارہ -/30 روپے ❀❀❀ سالانہ فنڈ -/300 روپے

اس شمارے میں

سالانہ کنونشن
سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا سالانہ
اصلاحی و تربیتی روح پرور عظیم اجتماع
مورخہ 10-9 اپریل 2021ء
بروز جمعۃ المبارک، ہفتہ کو منعقد ہو گا
اللہ تبارک وتعالیٰ کے تقرب، تزکیۂ نفوس، تصفیۂ قلوب،
اس کی رضا کی خاطر اور ولولۂ تازہ کے حصول کیلئے اجتماع
کی فکر انگیز مجالس میں اہتمام کے ساتھ شرکت فرما کر
انوار و برکات سے مستفیض ہوں۔
شرکت کی پرخلوص دعوت عام دی جاتی ہے۔
بمقام مرکز تعمیر ملت
وحید کالونی نزد کوٹ شاہاں (پیرو شہید بس سٹاپ)
جی ٹی روڈ گوجرانوالہ
رابطہ نمبر 0303-0466321

سلسلہ توحیدیہ کا قیام اور مقاصد

(حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاری صاحبؒ)

میں نے آج سے پورے ساٹھ سال پہلے یہ بات محسوس کر لی تھی کہ ہماری قوم بڑی تیزی سے تباہی اور زوال کے غار کی طرف رواں دواں ہے۔ اسی زمانہ سے میں دنیا کی مختلف قوموں کے عروج و زوال کی داستانیں تاریخ میں پڑھتا رہا پھر مدتوں اس بات پر غور کیا کہ قومیں کن وجوہات کی بناء پر بنتی اور بگڑتی ہیں اس کے بعد مسلمانوں کی اصلاح و ترقی و احیاءِ ثانیہ کے لیے جتنی جماعتیں وجود میں آئیں ان کی تنظیم، مساعی اور طریق کار کا مطالعہ بہ نظر غائر کیا اور ان کی ناکامی کے اسباب معلوم کرنے کی کوشش کی۔ پورے تیس سال کی جدو جہد اور کدو کاوش کے بعد میں تو اس نتیجہ پر پہنچا کہ ہم مسلمان خواہ وہ کسی ملک کے بھی ہوں مومن نہیں ہیں صرف مسلمان ہیں اور مسلمان بھی نام کے۔ نوے فیصد مسلمان تو قرآن حکیم کی تعلیم ہی سے واقف نہیں اس پر عمل کرنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ہم قرآن کریم کی بجائے رسوم پرستی کو اسلام سمجھ رہے ہیں۔ ہم نے فرائض کو بھلا دیا ہے اور فروعات کو فرائض سے بھی زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔ ہم نماز اوّل تو پڑھتے ہی نہیں اور اگر پڑھتے بھی ہیں تو یہ کبھی نہیں سوچتے کہ ہماری نمازوں سے ہمارے اخلاق کی کہاں تک اصلاح ہوئی ہے، ہم نے کون کون سی برائیوں کو چھوڑا اور کون کون سی نیکیوں کو اختیار کیا ہے کیونکہ خدا نے تو نماز کی یہی تعریف کی ہے کہ نماز برائیوں اور ممنوعہ کاموں سے بچاتی اور نیک بناتی ہے۔ اس کے علاوہ ہم کبھی غور نہیں کرتے کہ ہماری نماز میں خشوع اور حضوریِ باری تعالیٰ کہاں تک تھی۔ اگر نماز سے یہ فوائد حاصل نہیں ہوتے تو وہ کیا خاک نماز ہے وہ تو ایک رسم ہے محض رسم جو پانچ وقت ادا کر لی جاتی ہے۔ یہی حال دوسری عبادات کا ہے کہ محض رسماً ادا کر لی جاتی ہیں۔ اس کے ساتھ ہی میں نے یہ دیکھا کہ علمائے کرام میں جو لوگ واقعی متقی

اور پرہیز گار ہیں ان کی باتوں میں بھی کوئی اثر نہیں ہوتا۔ ان کی تقریر کے دوران لوگ ہنستے بھی ہیں اور ان کے دل میں اصلاح کا ولولہ بھی اٹھتا ہے۔ لیکن جلسہ گاہ سے نکلتے ہی وہ سب کچھ بھول جاتے ہیں۔ پھر میرا خیال ان صوفیائے کرام کی طرف گیا جو بخارا' ایران اور عراق سے چل کر اکیلے یا دو چار مریدوں کے ساتھ بالکل بے سروسامان انڈونیشیا' چین اور ترکستان یا ہندوستان آئے اور کسی شہر میں مقیم ہو کر خاموشی سے تبلیغ اسلام کرنے لگے اور دیکھتے ہی دیکھتے لاکھوں آدمیوں کو مسلمان بنالیا۔ مدتوں ان کی زندگی اور ان کے اخلاق کا تجزیہ کرنے اور موجودہ سچے صوفیوں اور خود اپنی حالت پر غور کرنے کے بعد مجھ پر یہ راز کھلا کہ ان بزرگوں کے پاس دو چیزیں ایسی ہوتی ہیں جو ان کے پاس بیٹھنے والوں کے دلوں کو موہ لیتی ہیں اور ان کی ذات کا والہ و شیداء بنا دیتی ہیں۔ ان میں سے ایک تو ان کا اخلاق ہے اور دوسری چیز جو اخلاق سے بھی کہیں زیادہ موثر اور طاقتور ہے وہ روحانی طاقت ہے جو حرارت یا سوز و گداز کی صورت میں ان کے دل میں پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ دو چیزیں ایسی ہیں کہ وہ جس سے بات کرتے ہیں نہایت غور سے ان کی بات سنتا اور جو کچھ کہتے ہیں اس پر بے چون و چرا عمل کرنے لگتا ہے۔

یہ بات معلوم ہو جانے کے بعد میں نے خود اس کے تجربے کیے تو سو فیصد درست پائے۔ اب میں نے حلقۂ توحیدیہ کی بنیاد ڈالی اور غیر مسلموں کو مسلمان بنانے کی بجائے' خود مسلمانوں کے اخلاق کی اصلاح شروع کر دی۔ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر اور احسان ہے کہ میری محنت رائیگاں نہیں گئی میں نے ۱۹۵۰ء میں یہ مبارک کام شروع کیا تھا۔ اس وقت میں بالکل اکیلا تھا اور آج ۲۲ برس بعد آپ دیکھتے ہیں کہ بفضل خدا میرے ساتھ چار پانچ ہزار آدمی ہیں جن میں سے کئی سو ولی کامل ہیں اور باقی بھی خالی نہیں' روحانیت میں خاصا بلند مقام رکھتے ہیں۔ چونکہ ہم لوگ یہ کام بطور پیشہ نہیں کرتے اور فقیری وضع قطع اختیار کیے بغیر دنیا کے تمام کام سرانجام دیتے ہوئے اللہ اللہ کرتے اور مدارج روحانی کا اکتساب کرتے ہیں' اس لیے دنیا والوں کی نظر سے بچے ہوئے ہیں یعنی مشہور نہیں ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ نے اپنے زمانہ میں معاشرہ کی اصلاح کے لیے یہ طریقہ اختیار کیا تھا کہ پہلے خاموشی سے ایک جماعت اولیاء اللہ کی تیار کی اور پھر اس جماعت کے افراد کو امراء اور وزراء کے پاس بھیج کر ان کی اصلاح کرائی جس کا فائدہ تاریخ کے صفحات سے آج بھی ثابت ہے میں نے بھی وہی وطیرہ اختیار کیا۔ ۱۹۵۰ء سے اب تک بزرگوں کی ایک جماعت پیدا کرنے میں لگا رہا ہوں۔ اب جب کہ ہماری جماعت میں اچھے بزرگوں اور اولیاء اللہ کی تعداد کافی ہو گئی ہے میں چاہتا ہوں کہ ہماری جماعت دیہات و امصار میں پھیل جائے اور دیہات کے لوگوں کی مذہبی اخلاقی اور روحانی اصلاح کا کام شروع کر دے۔ اس میں مشکل یہ درپیش ہے کہ ہمارے تمام بھائی کاروباری یا ملازمت پیشہ ہیں اس وجہ سے باہر جا کر کام نہیں کر سکتے۔ یہ مجبوری ہے مگر باوجود اس کے ہم کو فوراً یہ کام شروع کر دینا چاہیے ہمیں چاہیے کہ ہم کچھ دن کی چھٹیاں لے کر دیہات میں جائیں اور وہاں توحید و روحانیت کا نور پھیلائیں اس طرح سے جو کچھ تھوڑا بہت تجربہ ہم نے کیا ہے وہ بہت ہی حوصلہ افزاء ہے لوگ اس طرح گرتے ہیں جیسے شمع پر پروانے' دنیا ہماری منتظر ہے۔ شرابِ توحید و لایت کے طالب ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں تشنہ کام اور مایوں بیٹھے ہیں اس لیے اے میرے دوستو! اب آپ بلا تاخیر یہ کام شروع کر دیں۔ اس سے بہتر دنیا میں کوئی عبادت اور کوئی نیک کام نہیں۔ کیا عجب ہے کہ ربّ کریم نے یہ سعادت ہمارے حلقہ کی تقدیر میں لکھی ہو کہ ہم بھولے بھٹکوں کو اللہ کا سیدھا اور سچا راستہ دکھائیں ان کو نہ صرف مسلمان بلکہ مومن اور ولی اللہ بنا دیں۔ اس طرح رفتہ رفتہ قرآن کریم کے بھلائے ہوئے سبق پھر یاد آ جائیں اور احیاء اسلام کا سہرا پاکستان کے سر رہے۔ اُمید بہت بڑی اور بضاعت بہت کم ہے کو چھوٹا منہ اور بڑی بات ہے لیکن خلوص دل اور محنت سے کام کرنے والوں کو اللہ تبارک وتعالیٰ ضرور نوازتا اور فائز المرام فرماتا ہے۔

اب میں آپ کو چند نکات بتاتا ہوں جو کام کرتے وقت آپ کو ہر وقت یاد رکھنے ہوں گے اور ان پر عمل کرنا ہوگا۔

۱.....تبلیغ بالکل خاموشی سے کی جائے جس کو آپ حلقہ میں شامل کرنا چاہیں اس کو زبان سے دعوت نہ دیں بلکہ دل سے اس پر اثر ڈالیں، وہ خود بخود آپ کی طرف راغب ہو جائے گا۔

۲.....کسی سے بحث ومباحثہ وتمحیص سے بالکل بچا جائے اور جو کوئی بحث کرنا چاہے ہاتھ جوڑ کر اس سے معافی مانگ لی جائے۔

۳.....کام بالکل خلوص سے کیا جائے یعنی اس میں ذاتی مفاد یا اپنی فضیلت و بڑائی کا رائی برابر خیال دل میں نہ ہو محض خداوند قدوس کے لیے اور امت اسلامیہ کی بہتری اور بہبود کے لیے کیا جائے۔

۴.....کیسی ہی مخالفت ہو اور آپ کے ساتھ کوئی کتنی ہی سختی اور درشتی سے پیش آئے جواب میں سوائے نیکی اور نیک سلوک کے آپ اور کچھ نہ کریں۔

۵.....جہاں پانچ آدمی ہو جائیں وہیں ایک حلقہ قائم کر دیا جائے اور ان پر ہمیشہ نظر رکھی جائے اور ان کو اپنی تعلیم اور اخلاق سے بہرہ ور کیا جائے۔

فی الحال یہی باتیں کافی ہیں وقتاً فوقتاً جو دشواریاں پیش آئیں مجھ سے صلاح مشورہ کیجیے۔ ان شاء اللہ ہر مشکل آسان ہو جائے گی۔

مجھے اپنی جان سے زیادہ پیارے مریدوں پر پورا اعتماد ہے کہ وہ دل و جان سے اس کام میں لگ جائیں گے اور کسی قسم کی مصیبت کو خاطر میں نہ لائیں گے اللہ تعالیٰ آپ کا حافظ و ناصر ہو۔

آمین ثم آمین

(از **چراغِ راہ خطبہ**:8)

نقوشِ مہرووفا

(فرمودات قبلہ بابا جان محمد صدیق ڈار صاحب توحیدیؒ)

(مرتب: سید رحمت اللہ شاہ)

بابا جیؒ (حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاری صاحبؒ) کی کتابیں قرآن وسنت کے عین مطابق ہیں۔ بابا جیؒ نے سسٹم سارا Accurate کر دیا ہے کہ بیعت نہیں ہے۔ پہلے ذکر سیکھیں، اس کا فائدہ آپ کو محسوس ہو کہ ہم نے ذکر کیا ہے، ہمارا اندر واقعی کچھ نہ کچھ ذکر سے جیسے فرمایا ہے صاف ہوتا ہے اور واقعی صاف ہو۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ نبی کریم ﷺ فرمائیں ایک بات کہ ایسے ہوگا اور وہ نہ ہو، یہ نہیں ہو سکتا! آپ ذکر کریں گے تو دیکھیں گے۔ بابا جیؒ نے فرمایا ہے کہ بیعت نہیں کرنا۔ پہلے ذکر سیکھو، کر کے دیکھو، فائدہ ہو تو آپ خود کہیں گے کہ ہاں! اس سے میرا من پاک ہو گیا ہے۔ خیال ہی نیکی کی طرف لگ گیا ہے۔ نماز میں بھی دل لگتا ہے، اچھی لگتی ہے، پیار آتا ہے۔ آپ محسوس کریں کہ برائی سے خود بخود طبیعت ہٹتی چلی جا رہی ہے۔ جب یہ ہو تو پھر بیعت کرنی ہے۔ ایسے نہیں کرنا۔ کوئی تسبیحیں، منکے نہیں ہیں، ایسے نہیں کرنا، ٹھیک ٹھاک ہے۔

خلافت کے بارے میں بھی بابا جیؒ (حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاری صاحبؒ) نے کہا کہ اپنے مریدوں میں سے کسی کو بٹھاؤں گا۔ اپنے رشتہ داروں کو اس گدی پر نہیں بٹھاؤں گا۔ نہ بیٹے کو، نہ بھائی کو، نہ بھتیجے کو۔ مریدوں میں سے جو اچھا ہوگا اسے گدی پر بٹھاؤں گا۔ آگے جو ہوگا وہ بھی ایسے ہی کرے گا۔ اللہ اللہ کرو، پیار کرو، باہمی محبت رکھو۔ ماں باپ، بیوی بچوں کے ساتھ، سارے انسانوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ عالمگیر محبت۔ یہ بابا جیؒ نے طریقت توحیدیہ میں لکھا ہے۔ یہ چھوٹی سی کتاب ہے جس کے اندر سارا سلیبس لکھا ہے کہ یہ لا الٰہ کا ذکر ہے۔ یہ ایسے کرنا ہے، یہ اللہ اللہ کرنا ہے، یہ ایسے کرنا ہے۔ سب سے محبت کرو، سب سے پیار کرو، کسی کو دکھ، تکلیف، رنج نہ پہنچاؤ۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ مومن وہ ہے جس کے ہاتھ، پاؤں اور

زبان سے دوسری مخلوق محفوظ رہے۔

بیعت نامہ میں بھی باباجیؒ (حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاری صاحبؒ) نے لکھا ہے کہ اپنے کسی قول، فعل، یا حرکت سے کسی انسان کو رنج، دکھ یا تکلیف نہیں پہنچاؤں گا۔ یہ بیعت کی شرائط میں لکھا ہے۔ ایسا کرنا ہے۔، پیار کرو، محبت کرو۔ باباجیؒ (حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاری صاحبؒ) نے لکھا ہے کہ تم اگر چاہتے ہو کہ خدا تم سے محبت کرے تو اس کی مخلوق کے ساتھ محبت کرو۔ ایک حدیث میں اللہ کہتا ہے کہ

الخلق کلھم عیال اللّٰہ ۔ ﴿مخلوق سب اللہ کا کنبہ ہے۔﴾

اس اللہ نے پیدا کیا ہے۔ ماں باپ بھی پیدا کرتے ہیں تو عارضی طور پر یہ خالق ہیں۔

أَفَرَأَيْتُم مَّا تُمْنُونَ ۔ أَأَنتُمْ تَخْلُقُونَهُ أَمْ نَحْنُ الْخَالِقُونَ ۔ (سورۃ الواقعہ: آیت ۵۸۔۵۹)

ترجمہ: تم پیدا کرتے ہو یا ہم پیدا کرتے ہیں۔ ہم ہی پیدا کرتے ہیں۔ اصل خالق وہ ہے۔ یہ اللہ کی مخلوق ہے، یہ اس کا کنبہ ہے۔ اللہ کہتا ہے کہ جو اس سے پیار کرتا ہے، جو اس کی خدمت کرتا ہے، میں بھی اس سے پیار کرتا ہوں۔ باباجیؒ نے بھی لکھا کہ تم چاہتے ہو کہ خدا تم سے محبت کرے تو اس کی مخلوق کے ساتھ پیار کرو۔ پیار ہوگا تو خدمت بھی کریں گے۔ چھیننے والے نہ بنو گے، دینے والے بنو گے۔ بے شک روپیہ بھی دیا ہو، دینے والے بنو گے، تم اس کی خدمت کرو۔ باباجیؒ (حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاری صاحبؒ) نے ایک جملہ بڑا زبردست لکھا ہے کہ مجنوں جو ہے وہ لیلیٰ کی گلی کے کتے سے بھی پیار کرتا تھا تم کیسے محبّ ہو، اپنے اللہ کی بہترین مخلوق سے بھی پیار نہیں کرتے اشرف المخلوقات، مسجودِ ملائکہ، جو اللہ کی ان گنت صفات کا مظہر ہے۔ اس انسان کے اندر اللہ کی صفات موجود ہیں۔ اَن گنت صفات ہیں، تم اس سے پیار نہیں کرتے۔

جتنا کوئی بزرگ اللہ کے نزدیک ہوگا، اتنا ہی انسانوں سے محبت کرے گا۔ انسانوں میں سب سے زیادہ اونچی شان رسول اللہ ﷺ کی ہے، نہ کوئی آپ ﷺ جیسا ہوا ہے، نہ ہو سکے گا، نہ کبھی ہوگا۔ آپ ﷺ ہی رحمۃ للعالمین کا خطاب پانے والے ہیں۔ ساری کائنات

کے لئے رحمت ہیں۔انسانوں سے اگر کوئی سب سے زیادہ محبت کرتا ہے تو وہ آپ ﷺ ہی ہیں۔ لوگ آپ ﷺ کو کیسی کیسی تکلیفیں دیتے تھے۔حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ جتنا مجھے ستایا گیا اتنا کسی کو نہیں ستایا گیا، لیکن آپ ﷺ نے نہ تو کبھی کسی گالی نکالنے والے کو گالی دی، نہ کسی پتھر مارنے والے پر کنکر پھینکا، نہ کبھی کوئی بد دعا کی۔بابا جیؒ (حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاری صاحبؒ) نے یہ بھی لکھا ہے کہ بد دعا کرنا تو کیا! کبھی دل میں بھی خیال نہیں آیا۔اگر خدا کی قسم ان کے دل میں بھی خیال آجاتا تو۔۔۔ہم جانتے ہیں کہ حضور ﷺ کے خادموں سے، چھوٹے چھوٹے فقیر اللہ والے جو ہیں، ان کے دل میں بھی خیال آجائے تو سب کچھ ٹوٹ جاتا ہے۔حضور ﷺ کے دل میں بھی اگر ایسا کوئی خیال آجاتا تو کبھی کوئی چیز باقی نہ رہتی۔ہمیشہ یہی دعا رہی۔

اللّٰھم اھدی قومی فانھم لا یعلمون ''اے اللہ! انہیں ہدایت دے، یہ جاننے والے نہیں ہیں فرمایا کہ میں ہی ان کو سب سے زیادہ پیار کرنے والا ہوں۔میں ہی ان کا سب سے بڑا حامی ہوں۔جو سمجھتے ہیں گالی کو، وہ گالی نہیں دے سکتے۔جو سمجھتے ہیں وہ کسی بندے کو پتھر نہیں مار سکتے۔جو سمجھتے ہیں وہ کسی کو تکلیف نہیں پہنچا سکتے۔اتنی بڑی بات ہے۔شیطان نے بندے کو نہیں مانا، مارا گیا۔اللہ کو تو وہ اب بھی مانتا ہے۔قرآن میں ہے کہ شیطان نے کہا:

وَقَالَ اِنِّیْ بَرِیْءٌ مِّنْکُمْ اِنِّیْٓ اَرٰی مَا لَا تَرَوْنَ اِنِّیْٓ اَخَافُ اللّٰہَ وَاللّٰہُ شَدِیْدُ الْعِقَابِ.

(سورۃ الانفال ۸۔آیت ۴۸)

میں تو وہ دیکھ رہا ہوں جو تمہیں نظر نہیں آتا، میں تو اللہ سے ڈرتا ہوں۔اس (شیطان) نے انسان کو نہیں مانا، اس کی قدر و قیمت نہیں جانی، اس کو سجدہ نہیں کیا۔اللہ نے حکم دیا کہ تم اس کی عزت کرو۔بابا جیؒ (حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاری صاحبؒ) نے بھی لکھا کہ <u>گناہ سے نفرت</u> ہونی چاہیے، گنہگار سے نہیں۔<u>گناہ سے نفرت کرو، گنہگار سے نہیں۔</u>اس پہ تو رحم آنا چاہیے کہ یہ بہترین مخلوق اللہ کی، اسے پیدا کیا، اشرف المخلوقات بنایا مگر یہ اپنی کج فہمی کی بنا پر اس راہ پر چل پڑا ہے جو اللہ کی راہ نہیں ہے۔آپ کو تو ہمدردی ہونی چاہیے۔رونا آنا چاہیے کہ یہ بندہ اتنا اچھا ہے اور

اس راہ پر چل پڑا ہے۔اس کے لئے دعا کرو۔اس کے لئے ہمت بھی لڑاؤ۔اس کے قلب میں خدا کی محبت بیدار ہو جائے، وہ کرو۔علامہ اقبالؒ کا شعر ہے:

؎ تیری نگاہ سے دل سینوں میں کانپتے تھے
کھویا گیا ہے تجھ سے جذبِ قلندرانہ

وہ بات جو تمہارے دل کے اندر تھی، تمہاری توجہ سے، تمہارے فیض سے، تمہاری صحبت سے جو اس کے اندر نیکی اور یہ بات جاگ اُٹھے، وہ کوشش کرو۔برائی سے نفرت کرو، برے سے نہیں کرنی۔برے سے ہمدردی کرو۔اسے اس میں لانے کی کوشش کی جائے۔میں نے مثال بھی دی کہ اگر نالی میں سونے کا ٹکڑا یا ایسی کوئی چیز گر جائے تو اسے ہم اٹھا لیتے ہیں۔پتا ہے کہ پیشاب، پاخانہ نالی میں جا رہا ہے۔پتا ہے کہ وہ پلید ہو گئی مگر ہم اسے اٹھا لیتے ہیں۔بندہ بھی جو ہے یہ کسی غلط فہمی کی وجہ سے ٹیڑھا میڑھا ہو کر کسی طرح نالی میں گر ہی پڑا ہے، اس کو بھی اُٹھا لیں۔وہ بھی دھویا جا سکتا ہے۔خدا نے تو کہا ہے کہ آخری دم تک بھی میرا بندہ اگر توبہ کر لے تو میں اس کے سارے گناہ معاف کر دیتا ہوں۔کبھی بھی توبہ کا دروازہ بند نہیں کروں گا۔جب بھی آ جائے میرا دَر کھلا ہی ہے۔اللہ والے بھی یہ اسی طرح کرتے ہیں کہ جب بھی آ جائے اسے پیار سے ملتے ہیں۔اسی طرح اس کی قدر کرو۔اس کو نکالو، دھولو، صاف کر لو، اصل میں سونا ہی ہے۔یہی آدم ہے جس کو سجدہ کیا گیا۔جب اس کو راہِ راست مل جائے گی تو ٹھیک ہو جائے گا۔

حضورﷺ بھی جس قوم میں آئے وہ دنیا میں سب سے گرے پڑے، بے نام، جاہل اور اکھڑ قسم کی قوم تھی۔نبی پاکﷺ کے لئے اللہ نے وہی قوم Select کر کے رکھی ہوئی تھی کہ یہ آپﷺ کو مل جائے گی۔یہ لوگ ہر بات میں پکے تھے، جب اسلام میں بھی آ گئے تو پختہ ہو گئے حضورﷺ نے آ کر ایسا انہیں بنایا کہ آدھی صدی میں آدھی دنیا پر انہوں نے قبضہ کر لیا۔بیس، تیس سال میں یورپ کے اندر فرانس تک چلے گئے۔ایمان تھا، پکے لوگ تھے، جب اس پر لگ گئے تو لگ گئے۔انہوں نے خوب کام کیا۔اللہ نے انہیں ایک قوم میں Convert کر دیا۔

یہ ان پڑھ اور جاہل قوم تھی ۔ مرے ہوئے لوگ جو نا چیز تھے وہ لوگوں کو زندگی بانٹنے لگ گئے ۔ وہ لوگوں کو قوانین بتانے لگ گئے کہ کیسے مالی معاملات چلائے جاتے ہیں ۔ کیسے ملکوں میں خوشحالی لائی جاتی ہے ۔ وہ نبی پاک ﷺ کی یونیورسٹی سے اور صفہ سکول سے پڑھ کے نکلے تھے ۔ وہ حکمران ادھر سے حضور ﷺ لے کے آئے ۔ ایسے تھے کہ جن کا نہ گھر تھا نہ بار تھا ۔ کہا کہ ان سے لو ۔ وہ ایسے تھے کہ حکمرانی کے نام سے بھاگ جاتے تھے ۔ حضرت عمر فاروقؓ کے دور میں یہ ہوتا تھا کہ انہوں نے صوبوں کے گورنر چننے ہوتے تھے اور وہ (اہلِ صفہ) سویرے سویرے جلانے کے لئے جنگل سے لکڑیاں چننے نکل جاتے تھے کہ کسی اور کو ہی بھیج دیں ، ہم نہیں جاتے ۔ ان کو کیا ، وہ تو ان حکومتوں کے خواہشمند نہیں تھے ۔ وہ تو پیار کی زندگی بسر کرتے تھے ۔ (عمرؓ) کہتے کہ میں بھی ادھر ہی بیٹھا ہوں ، تمہارے درمیان سے ہی بندہ بھیجنا ہے ۔ آپ میں سے ہی گورنر چننا ہے ، آپ میں سے ہی کسی کو بھیجنا ہے ۔ اُنہیں میں سے بھیجتے تھے ۔ کہتے تھے کہ تم کو گورنر بننے کی ضرورت نہیں ۔ لوگوں کو ، اللہ کی مخلوق کو تم جیسے گورنر چاہئیں ۔ جن میں گورنری کی ہوس نہ ہو ، یہ پیسے کی محبت نہ ہو ۔ مخلوقِ خدا کو ایسے ہی گورنروں کی ضرورت تھی ۔ یہ ایسے لوگ تھے کہ نبی پاک ﷺ کی صحبت میں ہی رہتے تھے اور پاک ہو گئے ۔ ایمان دلوں کے اندر رچ گیا ۔

جب حضرت عمرؓ اس زمانے میں کسی کو گورنر بناتے تھے تو اسے بیس ، تیس ہزار درہم و دینار تنخواہ دیتے تھے تاکہ انہیں اِدھر اُدھر دیکھنے کی ضرورت نہ پڑے ، لیکن چار شرائط لکھواتے تھے ایک تو یہ کہ تم ترکی گھوڑے پہ سواری نہیں کرو گے ۔ تم نہیں بیٹھو گے ۔ لوگ بیٹھیں گے لیکن گورنر صاحب ترکی گھوڑے پر نہیں بیٹھیں گے ۔ باریک کپڑا نہیں پہنو گے ۔ چھنا ہوا آٹا نہیں کھاؤ گے ۔ تمہارے گھر یا بنگلے کے باہر کوئی دربان نہیں ہو گا ۔ چوبیس گھنٹے در کھلا رہے گا ۔ جس کی مرضی آئے گورنر صاحب سے ان باتوں پر انگوٹھا لگوا کے تب بھیجتے تھے ۔ حقوق نہیں دیتے تھے ۔ پہلے جو حقوق ملے تھے ان میں سے بھی کچھ نہ کچھ ضبط کر لیتے تھے کہ عام بندہ بن کے رہنا ہے ۔

صفہ کے ہی ایک ایسے گورنر تھے ان کے خلاف شکایت ہو گئی کہ یہ تو آتے ہی نہیں ہیں

صبح دیر سے ڈیوٹی پر نکلتے ہیں۔ جمعہ کو تو ظہر کے وقت ہی دیکھتے ہیں۔ رات کو تو یہ بالکل ہی باہر نہیں آتے۔ ان کو کبھی کبھی دورہ پڑتا ہے، نماز میں زور زور سے رو پڑتے ہیں۔ یہ شکایت آئی۔ اس وقت نظام بڑا زبردست تھا، کبھی کسی کی شکایت نہیں آتی تھی۔ گورنر کی شکایت آئی تو بلالیا کہ آؤ وہ آگئے۔ مختصر سا سامان تھا۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ تمہارا سامان کدھر ہے؟ فرمایا کہ یہ جو میں لے کے آیا ہوں یہی میرا سامان ہے۔ کہا کہ آپ کے خلاف شکایتیں ملی ہیں۔ پوچھا کہ کیا ہیں؟ فرمایا کہ یہ یہ ہیں۔ کہنے لگے کہ ہاں جی ساری ٹھیک ہیں۔ میں صبح واقعی دیر سے آتا ہوں۔ گھر میں ہمارا کوئی نوکر نہیں ہے۔ میں اور میری بیوی مل کر ناشتہ تیار کرتے ہیں تو تھوڑی سی دیر ہو جاتی ہے۔ پوچھا کہ جمعہ کو؟ فرمایا کہ جمعہ کو کپڑے بھی دھونے ہوتے ہیں۔ انہیں سوکھنے میں تھوڑی دیر لگتی ہے۔ یہ سوکھ جاتے ہیں تو یہی پہن کر باہر نکلتا ہوں۔ پوچھا کہ یہ جو پیسے ملتے ہیں اتنے تنخواہ کے تو انہیں کہاں خرچ کرتے ہو؟ کہنے لگے: یہ پیسے بہت زیادہ ہوتے ہیں، ہم نے کیا کرنے ہیں اتنے پیسے۔ تھوڑے سے رکھ لیتے ہیں، باقی مجاہدین کو مدد میں دے دیتے ہیں۔ یہ ہم نہیں رکھتے۔ پوچھا: وہ رات میں کہتے ہیں کہ آپ باہر نہیں آتے۔ انہوں نے کہا: اے عمرؓ! میں سمجھتا ہوں کہ سارا دن لوگوں کے معاملے طے کرنے اور حکومت کے کام کرنے میں گزر جاتے ہیں اور اللہ کے حقوق ادا کرنے میں کمی کر رہا ہوں۔ میں کوشش کرتا ہوں کہ کم از کم رات تو اللہ کے دربار میں پیش ہو کر گزاری جائے۔ میں رات کو قیام کرتا ہوں۔ پوچھا: یہ کہتے ہیں کہ مرگی کا دورہ پڑتا ہے۔ جی نہیں مجھے دورہ نہیں پڑتا اور نہ ہی مرگی ہے۔ میں مکہ میں تھا جب کفار نے ایک مسلمان کو پکڑا اور نیزے مار مار کے چھلنی کر دیا تھا، میں بھی ان میں شامل تھا۔ مجھے اس کی موت کا منظر کبھی کبھی یاد آئے تو مجھے خود پر قابو نہیں رہتا۔ مجھے وہ یاد آتا ہے کہ وہ کیسا دور تھا، اسلام پر وہ کیسا وقت آیا تھا۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ اچھا۔ چلو دو چار دن رہ لو اور پھر واپسی کیلئے تیار ہو جاؤ۔ انہوں نے کہا کہ نہیں مجھے معاف کر دیں۔ اب مجھے بلا ہی لیا ہے تو اب مجھے ادھر ہی رہنے دیں۔ آپؓ کو شکایتیں بھی نہیں ملیں گی۔ آپؓ نے کہا کہ نہیں! ایسا گورنر کہاں ملتا ہے، اسے ہی بھیجنا ہے۔ وہ ایسے لوگ تھے

حضورﷺ کی ایک حدیث بھی ہے کہ تم میں اچھے حکمران وہ ہوں گے جو بھاگیں گے۔ وہ جو کہتے ہیں ناں کہ آپ کا دیرینہ خادم ہوں، وہ نہیں قبول کریں گے۔ وہ کہیں گے کہ نہیں چاہئے، وہی تمہارے اچھے حکمران ہوں گے۔ ایسے یہ نفس صحیح ہو جائے اور وہ پیار ہو جائے۔ جیسے یہ ہے کہ

دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو
عجب چیز ہے لذتِ آشنائی

خدا کی محبت جو ہے یہ ایسے ہو کہ سب کچھ بھول بھال جائے۔ وہ خدا سے محبت اور خدا سے پیار وہی سب سے بڑی بات ہے۔ اس کے سوا وہ کوئی بات نہیں کرتا۔ یہ جو ساری بات کی ہے یہ سلسلہ عالیہ توحیدیہ کی تعلیم کی ہے۔ جو حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاری صاحبؒ کی کتب میں لکھی ہوئی ہے۔ آپ پڑھے لکھے لوگ ہیں۔ مختصر سا سلیبس ہے۔ لمبے چوڑے وہ چلے اور ایسا کچھ نہیں ہے۔ کر کے دیکھو۔ ان شاءاللہ اس کا فائدہ خود محسوس ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کرم کرے، ہمارے دلوں میں اپنے پیار کی شمع روشن کر دے اور ہم اللہ اللہ کرتے اس دنیا سے چلے جائیں۔ آمین۔

سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے اغراض و مقاصد اور ان کا حصول

(حافظ محمد یسین)

بانی سلسلہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے تحریک سلسلہ توحیدیہ کی بنیا د رکھی اس کے مقاصد بہت واضح ہیں۔ بانی سلسلہؒ نے بڑی تحقیق اور تجربات کی بناء پر روحانی طریقے سے معاشرہ کی اصلاح کا کام شروع کیا۔ سلسلہ کی بنیاد کا مقصد یہ ہرگز نہیں کہ اس تعلیم سے کچھ لوگ بزرگ بن جائیں اور بس۔ بلکہ اس تحریک کا مقصد اس کے پیروکاروں میں اللہ کی یاد، اللہ کی محبت اور روحانی طاقت سے وہ اوصاف پیدا کرنا ہیں کہ وہ معاشرے میں انقلاب برپا کر دیں اور معاشرے کو حقیقی اسلامی رنگ میں رنگ دیں۔

اب میں آپ لوگوں کے سامنے بانی سلسلہؒ کی کتاب تعمیر ملت میں بیان کردہ "جماعت کی ترقی اور کامیابی" کے لیے بیان کردہ اصول بیان کرتا ہوں جو درج ذیل ہیں۔

(۱) ایمان (۲) اتحاد (۳) رابطہ (۴) اطاعت (۵) عمل

ایمان: یعنی پختہ یقین، اس بات پر مکمل یقین کہ یہی تعلیم وہ تعلیم ہے جو نبی مکرم ﷺ اپنے صحابہ کو دیتے تھے۔ یہ عین قرآن و سنت کے مطابق ہے۔ اسی لیے تو بانی سلسلہؒ نے اپنے خطبے میں ارشاد فرماتے ہوئے دعویٰ کیا کہ میری تعلیم کو نبی مکرم ﷺ کے طریقے سے ملا لو اگر کہیں فرق ہے تو مجھے بتائیں میں خوشی سے اپنے طریقے میں تبدیلی کر لوں گا۔ یہ دعویٰ ایسے ہی نہیں کیا جا سکتا۔ ہمیں اس پر کامل یقین ہونا چاہیے کہ سچے موتی اور اصل ہیرے ہمارے ہی پاس ہیں اور معاشرے میں اگر کوئی تعلیم انقلاب لا سکتی ہے تو وہ سلسلہ توحیدیہ کی تعلیم ہے۔ کیونکہ یہ فرقہ پرستی، اور شخصیت پرستی سے پاک، اللہ کی حاکمیت اور مخلوق خدا سے محبت و خدمت والی تعلیم ہے۔ اس لیے ہمیں پورے اعتماد اور کامل یقین کے ساتھ اپنی تعلیم دوسرے لوگوں تک پہنچانی چاہیے۔

اتحاد: ہماری جماعت کے لحاظ سے اتحاد کا مطلب ہے کہ ہم میں سے ہر کوئی اپنے مقصد کے ساتھ ہمہ وقت جڑا رہے۔سب کی منزل اور مقاصد ایک ہیں۔اس لئے ہم سب کو اپنے مقصد کیلئے یکسو ہونا چاہیے۔ہم سب کی توانائیاں اپنے مقصد کیلئے ہونی چاہئیں۔اگر ہم سب مل کر، متحد ہو کر، یکسو ہو کر اخلاص کے ساتھ اپنی توانائیاں صرف کریں گے تو اللہ ضرور کامیابی دے گا۔

اگر گاڑی کو دھکا لگانا ہو تو سبھی افراد مل کر اور ایک ہی وقت میں طاقت صرف کریں گے تو گاڑی چلے گی اور اگر دو افراد زور لگائیں اور بقیہ دو رُکے رہیں یا وہ اس وقت طاقت صرف کریں جب پہلے والے رک جائیں تو گاڑی نہیں چل سکے گی۔

رابطہ: رابطہ کے بغیر کوئی جماعت ترقی تو کیا دس قدم بھی نہیں چل سکتی۔اصل میں یہ ساری باتیں آپس میں باہم مربوط ہیں، جڑی ہوئی ہیں۔جتنا ہمارے سامنے مقاصد واضح ہوں گے اتنا ہی ہم ان باتوں پر عمل پیرا ہوں گے۔اگر مقاصد واضح نہیں یا ہم مقاصد کے حصول کے لیے مخلص نہیں تو ان باتوں پر عمل کرنا بھی محال ہے۔اگر مجھے بھوک لگی ہے اور میرا پیٹ مسلسل میرے دماغ کو پیغام دے رہا ہے کہ کچھ کھانے کا بندوبست کرو تو میں ہر ایک سے ہوٹل کا پتہ پوچھوں گا کہ کہاں سے کچھ کھانے کو ملتا ہے اور میں تب تک آرام سے نہیں بیٹھوں گا جب تک مجھے کھانا مل نہ جائے۔ یہی حال یہاں ہے جتنی ہماری دلچسپی اپنے مقاصد کے ساتھ ہوگی اتنا ہی ہم آپس میں مربوط ہوں گے۔جہاں ملیں گے اپنے مقصد کی بات کریں گے،ان کے حصول کے لیے نئی نئی تجاویز اور راہیں نکالیں گے۔نئے نئے پروگرامز بنائیں گے تاکہ مقاصد کا حصول آسان ہو۔

الغرض! ہمیں اپنے مرکز سے مسلسل رابطے میں رہنا چاہیے اور آپس میں بھی سب بھائیوں سے رابطہ رکھنا چاہیے تاکہ نئی نئی راہیں نکلیں اور ہماری تحریک دن دگنی رات چگنی ترقی کرے۔

اطاعت: اس حوالے سے ہم بحیثیت جماعت بہت پیچھے ہیں۔اطاعت کا وہ لیول جو کسی بھی جماعت کی کامیابی کے لیے ضروری ہوتا ہے وہ ہم میں نہیں۔جب تک ہم مرکز کی طرف

سے ملنے والی تعلیم پر من وعن عمل نہیں کریں گے۔بحیثیت جماعت ہم آگے نہیں بڑھ سکتے۔جب مرکز کی طرف سے کوئی ہدایت یا کوئی اعلان ہو جائے ہمیں دل میں بھی اس کی بجائے اور کوئی رائے نہیں لانی چاہیےاوراس پر پورے جوش اور کوشش سے عمل کرنا چاہیے۔

یک رنگی تبھی آسکتی ہے جب اطاعت کا بھرپور جذبہ موجود ہواور یک رنگی کے بغیر کوئی جماعت اپنے مقاصد میں کامیاب نہیں ہوسکتی۔اس لیے تمام بھائیوں سے بڑی دل سوزی سے التجاہے کہ اپنے اندر اطاعت کا وہ لیول پیدا کریں جواللہ چاہتاہے۔

بانی سلسلہؒ فرماتے ہیں فوجی جوان چند ٹکوں کے لیے اطاعت کا وہ جذبہ پیدا کرلیتا ہے کہ اپنے کمانڈر کے کہنے پر مرنے کے لیے تیار ہو جاتا ہے تو کیا ہم اللہ کے لیے اس کے دین کی سربلندی کے لیے اطاعت کا وہ جذبہ پیدا نہیں کرسکتے۔

عمل: اس ضمن میں آپ بھائیوں سے یہی گزارش ہے۔اس تعلیم کو دوسروں تک پہنچانے کے لیے ہر سطح اور ہر پلیٹ فارم پر ضرور کوشش کرنی ہوگی۔زبانی دعوت دیجیے۔دوسرے لوگوں کو، دوستوں کو اپنے سلسلے کا تعارفی کتابچہ دیجیے۔پھران سے رابطہ میں رہیں۔سوشل میڈیا کا بھرپور استعمال کیجیے۔اپنے احباب کے Whatsapp گروپس میں مرکز کی طرف سے ملنے والے پیغامات بھیجیں۔یوٹیوب پر upload ہونے والی باباجان کی ویڈیوز کالنک اپنے احباب کو send کریں۔غرض ہمہ وقت اس کام کے ساتھ جڑے رہیں۔

بانی سلسلہؒ نے ہم پر ہر چیز واضح کردی ہے۔سلسلہ کے مقاصد کا حصول تبھی ممکن ہے جب ہم ان پانچ باتوں پر پورے اخلاص کے ساتھ عمل پیرا ہوں گے۔اللہ تعالیٰ ہماری مدد فرمائے اور بانی سلسلہ کے مشن کی تکمیل کے لیے ہمیں اسباب فراہم کرے اور اللہ ہمارے قدموں کو مضبوط فرمادے۔ آمین

احیائے دین کی اساس

(ڈاکٹر ملک غلام مرتضیٰؒ)

سب سے پہلے ہم یہ جاننے کی کوشش کریں گے کہ " احیائے دین "کا صحیح مفہوم کیا ہے؟اس سلسلہ میں ایک بنیادی غلط فہمی جس میں اُمت مسلمہ کی ایک عظیم اکثریت مبتلا ہے جس کے ازالہ کی کوشش کی جائے گی۔حضور سرور کائناتﷺ نے احیائے دین کے مشن کو کس طریقہ سے پایہ تکمیل تک پہنچایا۔ ہمارا بنیادی عقیدہ یہ ہے کہ آج بھی احیائے دین کا کام صرف اور صرف اسی طریقہ سے کیا جاسکتا ہے جو ہمیں اسوۂ حسنہ سے ملتا ہے۔

ہمیں اس وقت اس تلخ حقیقت پر غور کرنا ہوگا کہ احیائے دین کے متعلق بعض بنیادی باتیں جو قرآن مجید اور سنت متواترہ سے ثابت ہیں، چند "وقتی مصلحتوں" کا شکار ہورہی ہیں۔

احیائے دین کا مطلب:

جس طرح اللہ تعالیٰ خود غالب و حاکم ہے، اسی طرح سے ان کے دین کو بھی دنیا میں غالب اور حاکم بن کر رہنا چاہئے۔اللہ تعالیٰ کے پیغام کو اس کے رسولﷺ کی سنت کو، غرض دین کی تمام تعلیمات کو زندگی کے ہر گوشے میں خواہ وہ سیاسی ہو یا معاشی، معاشرتی ہو یا نجی نافذ و حاکم ہونا چاہئے۔اللہ تعالیٰ کا دین مغلوب، محکوم اور شکست خوردہ بن کر رہنے کے لئے نہیں آیا۔یہ تو اصولی بات تھی لیکن حقیقی واقعہ اس سے بالکل مختلف ہے۔پوری دنیا کے اندر اللہ کا دین نظریاتی طور پر بھی اور عملی طور پر بھی مغلوب، محکوم اور شکست خوردہ نظر آتا ہے۔

عام لوگوں کے نزدیک اس شکست کو فتح میں بدل دینے کا نام "احیائے دین" ہے، لیکن غور کرنے سے پتہ چلے گا کہ یہ ہماری سادہ لوحی ہے اور ہم نے ایک بہت ہی پیچیدہ مسئلہ کو بہت ہی آسان اور سادہ سمجھ لیا ہے۔یہ (Act of over simplification) ہے۔

سب سے پہلے تو یہ بات اچھی طرح سے سمجھ لینی چاہئے کہ اللہ کے دین کو نہ کبھی شکست ہوئی ہے اور نہ ہوگی۔ زیادہ سے زیادہ یہ واقعہ پیش آجاتا ہے کہ دین کی حقیقت ہم سے غائب ہو جاتی ہے اور اس کی ظاہری صورت باقی رہ جاتی ہے۔ اصل مغز عنقا ہو جاتا ہے اور استخوان ہمارے سامنے موجود رہتا ہے۔ ہم اپنی جہالت کے سبب دین کی اس ظاہر صورت اُس کے استخوان کو ''دین مکمل'' سمجھ لیتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ استخوان بے مغز، یہ جسم بے روح دنیا کی کمزور اور ادنیٰ حقیقتوں کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ شکست کھا جاتا ہے اور دیکھنے والا اس غلط فہمی کا شکار ہو جاتا ہے کہ اللہ کے دین کو شکست ہو گئی۔

اصل بات یہ ہے کہ کوئی ''صورت'' خواہ وہ اپنے تئیں کتنی عظیم نظر آتی ہو، کسی چھوٹی سے چھوٹی حقیقت کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ اگر مردہ شیر کی کھال میں بھس بھر کر بازار میں رکھا جائے تو کچھ دیر تک تو اس کی دہشت طاری رہے گی لیکن تھوڑی ہی دیر کے بعد ایک کمزور ترین بچہ اس بھس بھرے شیر کو پچھاڑ دے گا۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ بچہ کمزور سہی لیکن وہ ایک جاندار حقیقت ہے۔ اس کے برعکس بھس بھرا شیر ایک قوی ہیکل جنگل کا بادشاہ سہی لیکن ایک بے جان صورت ہے۔ صورت خواہ عظیم ہی کیوں نہ ہو، کسی ادنیٰ سے ادنیٰ حقیقت کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ اس دور کے سائنسی اور فلسفیانہ نظریات یعنی مادّیت، سرمایہ داری، اشتراکیت، کمزور اور بودے نظریات سہی لیکن وہ چلتے پھرتے حقائق ہیں۔ اس کے مقابلہ میں ہمارا اسلام محض ایک صورت ہے۔ ایک شکل ہے، ایک جسم بے جان ہے، ایک استخوان بے مغز ہے۔ ان دونوں کے مقابلہ کی صورت میں نتیجہ ظاہر ہے۔ اب واقعہ یہ ہے کہ مغلوب و محکوم اللہ کا دین نہیں بلکہ دین کا وہ خول ہے جسے ہم دین سمجھے بیٹھے ہیں۔ شکست خوردہ قوم ملت مسلمہ نہیں بلکہ بے مقصد لوگوں کا وہ گروہ ہے جو اپنے آپ کو مسلمان کہلوانے پر بضد ہے۔

ہمارے نزدیک زوال اُمت کی اصل حقیقت یہ ہے کہ اُمت مسلمہ دین کی حقیقت سے

محروم ہوکررہ گئی ہے۔دین کے اعمال کی صرف ظاہری شکل وصورت باقی رہ گئی ہے۔لوگ کثرت سے کلمہ طیبہ کاورد کرتے ہیں۔لیکن اس کلمہ کے مطلب مقصد اور حقیقت سے بالکل نابلد ہیں۔ لوگ کثرت سے نماز پڑھتے ہیں لیکن ان کی نماز فقط نماز کی ظاہری صورت یعنی قیام،رکوع،سجود،تلاوت سے آگے نہیں بڑھ پاتی۔کون ہے جواس نماز کو معراج المومنین کہہ سکے۔ایسے ہی ایک نمازی کو تین دفعہ نماز سے فارغ ہونے پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا "نماز لوٹاؤ،تم نے نماز نہیں پڑھی۔"

لوگ کثرت سے حج کوجاتے ہیں لیکن یہ حج چند رسومات سے زیادہ درجہ حاصل نہیں کرپاتا اس حج پر حضرت عمرؓ کا وہ جملہ صادق آتا ہے جوانہوں نے حجاج کی ایک جماعت سے مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا تھا: "یعنی تم لوگوں میں حج کرنے والے تو کم ہیں البتہ سوار اور سیر وتفریح کرنے والے زیادہ ہیں۔"مطلب یہ کہ تم میں سے اکثر صرف حج کی صورت پاسکتے ہیں،حج کی حقیقت سے محروم ہیں۔لوگ قرآن مجید تلاوت کررہے ہوتے ہیں اور قرآن اُن پرلعنت برسارہا ہوتا ہے،اس پوری بحث کی روشنی میں اب ہم اس نتیجہ پر با آسانی پہنچ سکتے ہیں کہ"احیائے دین" سے مراد دین کی صورت کے ساتھ ساتھ دین کی حقیقت کو واپس لانا ہے۔

"دین مکمل" تو وہی ہے جس میں صورت بھی ہو،حقیقت بھی،جسم بھی ہو،جان بھی،مغز بھی ہو،استخوان بھی۔ یہ"دین مکمل"اپنا راستہ خودلیا کرتا ہے۔شکست،مغلوبیت،محکومیت اس کے لئے محال ہے۔یہ اللہ کی طرف سے غالب وحاکم ہوکررہتا ہے۔

ایک بنیادی غلط فہمی:

چونکہ دین کے معاملہ میں ہماری پوری سوچ ہی صورت پرستانہ ہے اور حقیقت کی طرف توجہ دینا اب ہمارے مزاج کے منافی ہے۔اس لئے احیائے دین کے سلسلہ میں بھی تشخیص وتجویز اسی انداز میں ہوئی کہ دین کی جوشکل بھی اس وقت ہمارے سامنے موجود ہے،اسی کوغالب وحاکم بنادیا جائے۔آپ نے دیکھا کہ لوگ دین کوغالب کرنے کے لئے عظیم الشان جلسے اور جلوس

منعقد کرتے ہیں لیکن ان کی اکثریت ان جلسوں اور جلوسوں کے دوران دین کے ستون یعنی نماز سے غافل رہتی ہے۔ انفرادی طور پر بھی اور اجتماعی طور پر بھی۔ حالانکہ ان بزرگوں کو جلوس کے دوران ہر نماز کے وقت نماز باجماعت کا انتظام کرنا چاہئے۔ لیکن اس معاملہ میں خطرناک قسم کی چشم پوشی کی جاتی ہے۔ آخر کیوں؟ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ ہم لوگ اس غلط فہمی کا شکار ہیں کہ اقامت دین صلوٰۃ کے بغیر بھی ممکن ہے۔ حالانکہ آپ قرآن مجید میں دیکھ سکتے ہیں کہ ''اقامت دین'' کی اصل حقیقت ''اقامت صلوٰۃ'' ہے ارشاد ربانی ہے:

''یعنی یہ وہ لوگ ہیں کہ جب انہیں زمین میں اقتدار عطا فرماتے ہیں تو یہ نماز قائم کرتے ہیں، زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، نیکی کا حکم کرتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں۔'' (الحج:۴۱)

چونکہ اصل حقیقت سے چشم پوشی کر کے محض اقامت دین کی صورت کو لئے آگے بڑھ رہے ہیں۔ یہی صورت حال احیائے دین سے متعلق ہمارے پورے نظام فکر میں موجود ہے۔ اس سلسلہ میں تشخیص یہ کی گئی کہ امت مسلمہ زوال کا شکار اس لئے ہوگئی ہے کہ اہل اقتدار اسلام سے نابلد ہیں۔ چنانچہ تجویز یہ ہوئی کہ اقتدار پر قبضہ کیا جائے اور اسلامی قانون نافذ کیا جائے۔ یہاں پر ہم ایک بنیادی غلط فہمی کا شکار ہو گئے اور وہ یہ تھی کہ احیائے دین کے سلسلہ میں ہم نے ایک ایسی ذمہ داری اپنے سر لے لی جو کہیں بھی اللہ تعالیٰ نے ہمارے ذمہ نہیں ڈالی بلکہ ہمیشہ اسے اپنے ذمہ ہی رکھا ہے۔ قرآن مجید اور احادیث نبوی پر قابض ہو جاؤ اور پھر دین کو نافذ کر دو بلکہ اس کے برعکس ہر جگہ اس ترتیب سے بات کی گئی کہ دین کو اپنی ذات پر اور اپنے لواحقین پر حتی الوسع نافذ کر لو۔ رہ گیا غلبہ و اقتدار تو وہ ہمارا شعبہ ہے۔ ہم وعدہ کرتے ہیں کہ ہم انعام کے طور پر جب چاہیں گے تمہارے ایمان و عمل صالح سے خوش ہو کر تمہیں عطا کر دیں گے۔ مندرجہ ذیل قرآنی آیات پر غور فرمائیں۔

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے کہ ان لوگوں سے جو ایمان لائے اور جنہوں نے اعمال صالحہ کئے کہ وہ انہیں ضرور بالضرور زمین میں حکومت عطا فرمائے گا۔ (النور:۵۵)

دیکھ لیجئے! حکومت عطا کرنا' اللہ کا وعدہ ہے اور جو اللہ کی طرف سے وعدہ ہو' اسے بندوں کی ذمہ داری قرار نہیں دیا جاسکتا۔

ترجمہ : ''یہ وہ لوگ ہیں کہ جب انہیں زمین پر اقتدار عطا فرماتے ہیں تو وہ نماز قائم کرتے ہیں (الحج:۴۱) یہاں پر بھی اللہ تعالی نے اقتدار عطا کرنے کے کام کی نسبت اپنی طرف کی ہے۔ اس جگہ پر یوں بھی کہا جاسکتا تھا کہ ''جب یہ لوگ اقتدار پر قبضہ کر لیتے ہیں'' لیکن ایسا نہیں کہا گیا تمام آیات میں حکومت دینے کا کام اللہ تعالی نے اپنی طرف ہی منسوب کیا ہے۔مزید آیات ملاحظہ ہوں: ''اللہ تعالی نے (حضرت ابراہیمؑ سے) فرمایا: میں تجھے لوگوں کا پیشوا بنانے والا ہوں۔(البقرۃ:۱۲۴)

ترجمہ : ''ہم نے تمہیں غلبہ وحکومت عطا کردی۔''(الکوثر:۱)

واضح رہے کہ بعض مفسرین خصوصاً امام فراہیؒ کے نزدیک الکوثر سے مراد فتح مکہ اور اقتدار ہے۔

''موسیٰؑ نے اپنی قوم سے کہا: اللہ سے مدد مانگو اور صبر سے کام لو۔بے شک زمین اللہ تعالی کی ہے' وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اس کا وارث بنا دیتا ہے اور انجام کار (کامیابی) پرہیزگاروں کے لئے ہے۔

اس آیت کے الفاظ پر غور کرنے سے صاف پتہ چلتا ہے کہ قوم موسیٰ غلبہ واقتدار حاصل کرنے کے لئے بے صبر ہورہی ہوگی۔ چنانچہ انہیں صبر اور تقویٰ کی تلقین کی گئی اور یہ بات سمجھائی گئی کہ زمین کی وراثت دینا تو فقط اللہ کا کام ہے۔

اس موضوع سے ناانصافی ہوگی کہ اگر اس موقع پر اس دور کے عظیم مفسرِ قرآن حضرت سید قطب شہیدؒ کی ایک اہم عبارت جوں کی توں نقل نہ کردی جائے۔

قرآن کی اصل ترتیب:

قرآن ایسے قلوب پیدا کر رہا تھا جو بار بار امانت اٹھانے کے لئے تیار ہو جائیں اور

ضروری تھا کہ یہ قلوب اتنے ٹھوس، مضبوط اور پاکیزہ و خالص ہوں کہ اس کی راہ میں اپنی ہر چیز نچھاور کر دیں اور ہر آزمائش کا خیر مقدم کریں اور دوسری طرف دنیا کے مال و متاع میں سے کسی چیز پر نظر رکھنے کی بجائے صرف آخرت کو اپنا مطمع نظر بنائیں اور صرف رضائے الٰہی کے طلبگار رہیں گویا ایسے بے نظیر قلوب ہوں جو سفر دنیا کو تا دم آخریں تکلیف و تنگی، محرومی و کم نصیبی، عذاب و جانکاہی اور سرفروشی و ایثار پیشگی کے اندر گزارنے کے لئے تیار ہوں۔ اور اس دنیا کے اندر کسی عاجلانہ جزا کی امید نہ رکھیں، خواہ یہ جزا دعوت کے فروغ، اسلام کے غلبہ اور مسلمانوں کی شوکت کی شکل میں ہی کیوں نہ ظاہر ہو۔ بلکہ ظالموں کی ہلاکت اور ان کی عبرت ناک پکڑ کی صورت ہی کیوں نہ اختیار کرے۔ جیسا کہ مکذبین کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے کیا ہے۔

ضروری نہیں ہے کہ اہل ایمان کو دنیوی غلبہ حاصل ہو:

جب اس پائے کے قلوب میں آ گئے جو اس یقین سے سرشار تھے کہ دنیا کے سفر میں کسی اجر اور معاوضے کے بغیر ان کو ہر خدمت اور ہر قربانی انجام دینی ہے۔ اور جو سمجھتے تھے کہ صرف آخرت ہی حق و باطل کے درمیان اصل فیصلہ ہوگا۔ جب ایسے کھرے قلوب مہیا ہو گئے اور اللہ تعالیٰ نے دیکھ لیا کہ انہوں نے جو سودا کیا ہے۔ اس میں وہ سچے اور مخلص ہیں تب اللہ تعالیٰ نے زمین میں ان پر نصرت نازل فرمائی اور خلافت ارضی انہیں سونپ دی بلکہ اس لئے دی کہ وہ نظام حق برپا کریں۔ اس گراں بار امانت کو اٹھانے کی اہلیت اور استحقاق انہیں اسی روز حاصل ہو گیا تھا جبکہ ان سے دنیا کے اندر کسی کامیابی اور فائدے کا وعدہ نہیں کیا گیا تھا جس کا وہ تقاضا کرتے اور نہ خود ان کی نگاہیں دنیاوی غنائم پر لگی ہوئی تھیں۔ وہ صحیح معنوں میں اسی روز سے اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہو چکے تھے جس روز سے ان کی نگاہوں کو رضائے خداوندی کے سوا کسی اجر کی تلاش نہ رہی۔''

قرآن کی جن آیات میں نصرت کا وعدہ کیا گیا ہے یا مغانم کا ذکر ہوا یا یہ اطلاع دی گئی ہے کہ مشرکین کو دنیا کے اندر ہی اہل ایمان کے ذریعے کیفرِ کردار تک پہنچایا جائے گا' ایسی تمام آیات مدنی دور میں نازل ہوئیں ۔ یہ تب نازل ہوئی ہیں جب یہ تمام چیزیں اہل ایمان کے پروگرام سے خارج ہو چکی تھیں اور انہیں ان میں سے کسی چیز کا احساس رہا تھا اور نہ طلب ۔ نصرت الٰہی خود بخود نازل ہوئی کہ مشیت الٰہی کا تقاضا تھا کہ نظامِ حق انسانی زندگی کے اندر عملی پیکر بن کر نمودار ہو کر ایسی جیتی جاگتی تصویر بن جائے جسے انسان بچشم سر دیکھ لیں ۔ یہ نصرت اہل ایمان کی محنت و مشقت اور ان کی سرفروشیوں اور قربانیوں کا انعام نہیں تھا بلکہ یہ اللہ کا ایک فیصلہ تھا جس کے بطن میں اللہ کی وہ حکمتیں اور مصلحتیں چھپی ہوئی تھیں جنہیں ہم آج دیکھنے اور سمجھنے کی کوشش کر رہے ہیں ۔

دنیاوی غلبہ مشیتِ الٰہی کے تحت ہوگا' نہ کہ صلہ کے طور پر ۔ دعوت کا یہ وہ پہلو ہے جس پر ہر ملک اور ہر قوم اور ہر نسل کے داعیانِ حق کو پورا غور و تدبر کرنا چاہئے ۔ صرف یہی ایک پہلو انہیں راہ حق کے تمام نشانات اور خطوط کو صاف صاف کسی ابہام و غموض کے بغیر دکھا سکتا ہے ۔ اور ان بندگان صدق و صفا کو ثابت قدمی بخش سکتا ہے جو یہ ارادہ کر چکے ہیں کہ وہ راہِ حق کو اس کی انتہا تک طے کریں گے خواہ یہ انتہا کیسی بھی ہو اور اللہ نے اپنی دعوت کے لئے اور ان کے لئے جو کچھ بھی مقدر فرما رکھا ہے' وہ درست ہے اس پر آشوب اور خون آشام راستے کو جو کاسہ ہائے سر سے پٹا ہوا ہے، طے کرتے وقت وہ کبھی نصرت و غلبہ کے لئے چشم براہ نہیں رہیں گے یا اسی دنیا کے اندر حق اپنی دعوت اور اپنے دین کی مصلحت کی خاطر ان سے کوئی ایسا کام لینا چاہے گی تو اسے پورا کر کے رہے گی ۔ مگر یہ ان کی قربانیوں اور ان جانفشانیوں اور آلام و مصائب کا صلہ ہرگز نہ ہوگا ۔ یہ دنیا دارالجزا نہیں ہے بلکہ اللہ کی مشیت اور فیصلے کا نفاذ ہوگا ۔ جو وہ اپنی دعوت اور اپنے نظام کے بارے میں طے فرمائے گا تا کہ ان کے ذریعہ وہ اپنی مشیت کو پورا کرے ۔ ان کے لئے یہی شرف کافی ہے کہ قرعہ فال ان کے نام نکل آیا ۔ اس شرف کے آگے دنیا کی زندگی اور اس میں پیش آنے

والی آسائشیں ہیچ ہیں۔

چنانچہ طے ہوا کہ حکومت کا حاصل کرنا ہمارا مقصد نہیں ہونا چاہئے اور یہ کہ حکومت و اقتدار خالصتاً اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہے۔ ایمان و عمل صالح کا نتیجہ ہے جو اللہ کی مشیت کے تحت صادر ہوتا ہے۔ یہ اللہ کا خاص انعام ہے جو اپنے بعض بندوں کو وہ عطا کرتا ہے اور کبھی کبھی اپنے انتہائی محبوب بندوں کو بھی عطا نہیں کرتا۔ حتیٰ کہ بعض اولوالعزم اور صاحب کتاب نبی بھی اس کے بغیر دنیا سے چلے جاتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ حضرت عیسیٰؑ دنیا کے ناکام لوگوں میں سے نہیں ہیں۔ ان کو ناکام فقط اسی صورت میں کہا جا سکتا ہے جب کہ ان کی زندگی کا مقصد حکومت کا حصول ہو۔ ظاہر ہے کہ نبی سے زیادہ کامیاب و کامران شخصیت اور کوئی نہیں ہوا کرتی۔ اس سے طے ہوا کہ حکومت کا حصول حضرت عیسیٰؑ کے مشن میں شامل نہیں تھا۔ حکومت کا تعلق صرف اللہ تعالیٰ کے پروگرام اور مشیت کا حصہ ہوتا ہے۔ ذیل کی آیت اس موضوع پر حجت قاطعہ ہے: ''(اے نبی) فرما دیجئے کہ اللہ! بادشاہت کے مالک! تو جسے چاہتا ہے بادشاہت دے دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے بادشاہت چھین لیتا ہے۔ (آل عمران:۲۶)

مندرجہ بالا آیات پر غور کرنے سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ حکومت، خلافت ارضی اللہ تعالیٰ کی خاص نعمت ہے۔ یہ اس وقت بخشی جاتی ہے جب مسلمان اپنے اندر دین کی حقیقت سمو لیتے ہیں اور دین کامل پر عمل پیرا ہو جاتے ہیں۔ بالفاظ دیگر جب لوگ اس نعمت کے لئے اپنے اندر استعداد و صلاحیت پیدا کر لیتے ہیں تو یہ نعمت انہیں دی جا سکتی ہے۔ یہ نعمت بخشنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کئی طرح سے آزمائشوں کی بھٹی میں سے گزارتے ہیں۔ دیکھ لیجئے! کتنے امتحان تھے جو حضرت ابراہیمؑ کو درپیش ہوئے۔ تب جا کر ان سے کہا گیا کہ میں تمہیں لوگوں کا پیشوا بنانے والا ہوں۔ اس لئے کرنے کا کام یہ ہے کہ دین کی حقیقت اپنے اندر سموئی جائے۔ پورے معاشرے کو دین کامل سے منور کیا جائے۔ خلافت ارضی کے لئے جو استعداد و صلاحیت درکار ہے اسے حاصل کیا جائے۔ کرنے کا کام یہ نہیں کہ دین کی ظاہری صورت پر قناعت کر کے سیدھے

اقتدار کے حصول کے لئے سر دھڑ کی بازی لگائی جائے۔اس طرح کی کوشش کی مثال تو بالکل اس نالائق طالب علم کی ہے جو امتحان کی تیاری کے لئے علمی قابلیت تو پیدا نہیں کرتا' اپنے مقررہ نصاب کو پڑھتا نہیں' علم کی حقیقت سے نابلد ہے' لیکن اچھا نتیجہ حاصل کرنے کے لئے اور امتحان پاس ہوجانے کے لئے جائز و ناجائز بھاگ دوڑ کرتا ہے۔ظاہر ہے کہ یہ طالب علم اوّل تو اپنے غلط مقرر کردہ مقصد میں ہی کامیاب نہ ہوگا۔اگر بفرض محال ہو بھی گیا تو اس کی نالائقی قدم قدم پر اس کے سامنے آئے گی۔

حکومت اور اقتدار تو بہت دور کی بات ہے' حقیقت یہ ہے کہ ہم میں سے ہر شخص پر ذمہ داری صرف عمل کی ہے۔نتیجہ کی ذمہ داری حتیٰ کہ اسی عمل کے نتیجہ کی ذمہ داری بھی ہم پر نہیں ہے۔ہم زیادہ سے زیادہ اس بات کے ذمہ دار ہیں کہ حق و ہدایت کی دعوت دے دیں اور بس!! کسی کو ہدایت یافتہ بنا دینا ہماری ذمہ داری نہیں ہے۔یہ اختیار تو اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کو بھی عطا نہیں فرمایا کہ کسی شخص کے دل میں ہدایت ڈال دیں۔دیکھئے قرآن مجید میں کس قدر وضاحت سے کہہ دیا گیا ہے:

''تم جس کو چاہو' ہدایت نہیں دے سکتے بلکہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے''

(قصص:۵۶)

داعی کی اصل توجہ دعوت کی طرف ہوتی ہے' نتیجہ کی طرف نہیں۔مؤخر الذکر اللہ تعالیٰ کی مشیت سے متعلق ہے۔ذیل کی آیت خصوصی توجہ کے لائق ہے کہ داعی اس جگہ بھی کام کرتا ہے جہاں سے کسی حوصلہ افزا نتیجہ کی توقع نہیں۔بلکہ عذاب متوقع ہے:

ترجمہ: ''اور جب کہ ان میں سے ایک جماعت نے کہا ایسے لوگوں کو کیوں نصیحت کرتے ہو جن کو یا تو اللہ تعالیٰ ہلاک کرنے والا ہے یا کم از کم سخت عذاب دینے والا ہے۔انہوں نے جواب دیا کہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہمارا عذر واضح ہو جائے اور تا کہ وہ خدا سے ڈریں۔''

تو معلوم ہوا کہ نتیجہ اور پھر نتیجہ کے طور پر غلبہ اور اقتدار کا حصول ہمارے کرنے کا کام نہیں۔
بہت سی احادیث کی روشنی میں بھی یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اگر اپنی کاوش سے اقتدار یا اہم عہدہ حاصل کیا جائے تو اس میں اللہ تعالیٰ کی تائید حاصل نہیں ہوتی۔ اس کے برعکس اگر اپنی کوشش کے بغیر اقتدار نصیب ہو تو اس میں اللہ تعالیٰ کی تائید ہوتی ہے۔

یہاں پر ایک عملی نتیجہ مرتب ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ ایک داعی حق کو صرف دعوت کا کام کرتے رہنا چاہئے اور اسے عملی سیاست میں اس وقت تک قدم نہیں رکھنا چاہئے جب تک کہ لوگوں کے دلوں میں داعی کا اعتماد اور اس کی عظمت اس حد تک جاگزیں نہ ہو جائے کہ وہ اسے گھسیٹ کر اقتدار کے حاصل کرنے پر مجبور نہ کر دیں۔ سورۃ یوسف میں دیکھئے کہ حضرت یوسفؑ صرف اسی وقت اقتدار حاصل کرتے ہیں جب پورا دربار اور خود بادشاہ اپنی زبان سے اس بات کی گواہی دے رہے ہوتے ہیں۔ ''آج آپ ہمارے نزدیک معزز اور معتبر ہیں۔(یوسف:۵۴)

داعی کا اصل کام دعوت دینا اور اپنے ساتھیوں کو مکین اور امین ثابت کرنا ہے۔ جب انسانوں کا ایک گروہ ان کی دیانت، امانت اور صلاحیت کا معترف ہو جاتا ہے اور داعی اور اس کی جماعت کا اعتماد بندھ جاتا ہے، پھر شدید ترین مخالفت کے باوجود بیعت عقبہ اولیٰ منعقد ہوتی ہے بیعت عقبہ ثانیہ منعقد ہوتی ہے اور ریاست مدینہ کا تاج طشتری میں رکھ کر پیش کر دیا جاتا ہے۔ لیکن یہ سب کچھ تیرہ سالہ تربیت اور جان گداز آزمائشوں کے بغیر ممکن نہیں۔

یہاں پر ایک اور اہم بات کی طرف اشارہ کر دینا بے محل نہ ہوگا۔ تابعین، تبع تابعین، محدثین، صوفیاء آئمہ مجتہدین اور علمائے ربانین کا سواد اعظم چودہ سو سال سے بغیر کسی سیاسی پلیٹ فارم کے دین کی تبلیغ و دعوت کا کام کرتا چلا آ رہا ہے۔ اس وقت ان کے طریقہ دعوت کو سنت متواترہ کی حیثیت حاصل ہو گئی ہے۔ کیا خدانخواستہ یہ سب لوگ مسنون طریقہ دعوت سے ناآشنا تھے یا معاذ اللہ بزدل تھے۔ ایسا کہنا ایک بہت بڑی جسارت ہوگی جس کا تاریخ سے بھی کوئی تعلق نہ ہوگا۔ اگر شاہ ولی اللہ دہلویؒ مملکت اسلامی کے دفاع کی خاطر احمد شاہ ابدالی کو بلا سکتے تھے

تو خود بھی حکومت حاصل کرنے کی کوشش کر سکتے تھے۔مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا۔مہابت خان نے جہانگیر کو گرفتار کرنے کے بعد حضرت مجدد الف ثانیؒ کو اقتدار حاصل کرنے کی دعوت دی لیکن حضرت مجددؒ نے قبول نہیں فرمایا اور تخت دوبارہ جہانگیر کو لوٹا دیا۔اس کی کیا وجہ ہے؟

امام ابو حنیفہؒ نے آخر دم تک قاضی بننا کیوں قبول نہ فرمایا؟ سلطان سنجر نے جب ایک ولی اللہ کی مقبولیت سے گھبرا کر انہیں نصف مملکت کا اقتدار سنبھالنے کی دعوت دی تو انہوں نے جواب میں یہ اشعار کیوں لکھ کر بھیج دیئے۔

چوں چتر سنجری رخ بختم سیاہ باد	در دل بود اگر ہوس ملک سنجرم
زانگہ کہ یافتم خبر از ملک نیم شب	من ملک نیم روز بیک جو نمی خرم

اصل بات یہ ہے کہ یہ لوگ اس بات کی معرفت رکھتے تھے کہ خلافت ارضی قبل از وقت کوشش کرنے سے حاصل نہیں ہوتی بلکہ دین کی حقیقت حاصل ہو جانے کے بعد یا الفاظ دیگر استعداد وصلاحیت حاصل ہو جانے کے بعد پکے ہوئے پھل کی طرح خود بخود جھولی میں آن گرتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی سنت ہے کہ جو چیز اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربان کی جائے' اللہ تعالیٰ اس چیز کو کئی گناہ کر کے اس بندہ کو لوٹاتے ہیں۔تاریخ میں جن لوگوں نے اقتدار کی خواہش کو اللہ کے لئے قربان کر دیا' اللہ تعالیٰ نے اسی دنیا میں انہیں اتنا عظیم اقتدار عطا فرمایا کہ بڑے بڑے بادشاہان کے پاسنگ بھی نہ ہو سکے۔بلکہ میں تو یہاں تک کہتا ہوں کہ داعی حق کے دل میں دین کو نافذ کرنے کے لئے اقتدار حاصل کرنے کی تڑپ اگر موجود بھی ہے تب بھی حصول اقتدار کے لئے بہترین حکمت عملی یہ ہے کہ وہ اس وقت تک اقتدار کا نام بھی نہ لے جب تک کہ اسلامی معاشرہ میں عام لوگوں کے دلوں میں اس کا اعتماد قائم نہ ہو جائے۔

صبر

(حضرت شیخ عبدالقادر عیسیٰ الشاذلی)

علمائے کرام نے صبر کی مختلف تعریفیں کی ہیں ان میں سب سے اہم ترین تین تعریفیں ہیں ۔

(1) حضرت ذوالنون مصری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صبر احکام الٰہیہ کی مخالفت سے دور رہنا 'مصیبت کے وقت رنج والم سہتے ہوئے پرسکون ہونے اور حالت فقر میں غنا کے ظاہر کرنے کا نام ہے ۔''

(2) ''امام راغب اصفہانی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صبر یہ ہے کہ نفس کو پابند کیا جائے اس چیز پر جس کا تقاضا عقل یا شرع کرتی ہے ۔یا صبر' نفس کو ہر اس چیز سے دُور روکنے کا نام ہے جس سے روکنے کا تقاضا عقل یا شرع کرتی ہے''۔

(3) سید شریف جرجانی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ غیر اللہ سے مصائب کی تکلیف کا شکوہ نہ کرنے کا نام صبر ہے ۔اس تعریف سے یہ مفہوم اخذ ہوتا ہے کہ اللہ تعالی کی بارگاہ میں شکوہ نہ کرنے کا نام صبر ہے ۔

کسی بزرگ نے دیکھا کہ کوئی شخص اپنے فاقے اور حاجت کی شکایت کسی دوسرے شخص سے کر رہا ہے تو فرمایا: اے شخص !تو اس ذات کی شکایت کر رہا ہے جو تجھ پر رحم کرنے والی ہے ۔ایسے شخص سے جو تجھ پر رحم نہیں کرنے والا ہے ۔پھر یہ اشعار پڑھے ۔

(i) ''جب تجھ پر کوئی مصیبت نازل ہو تو اس پر کریم لوگوں کی طرح صبر کر۔کیونکہ اللہ تعالی تجھ سے بہتر جاننے والا ہے ۔''

(ii) ''اور جب تو ابن آدم سے شکوہ کرے گا تو تو رحیم کا شکوہ کرے گا اس سے جو رحم کرنا نہیں جانتا۔''

صبر کی اقسام:

علمائے کرام نے صبر کی مختلف اقسام بیان کی ہیں۔لیکن ان تمام تعریفوں کا مرجع درج ذیل تین تعریفات ہیں۔

1- الصبر علی الطاعۃ(یعنی طاعت پر صبر کرنا)

اس سے مراد شریعت پر استقامت' مالی ، بدنی اور قلبی عبادت پر دائمی پابندی اُمر بالمعروف ونہی عن المنکر پر دوام اختیار کرنا ہے۔اور اس ضمن میں پیش آنے والے مصائب و مشکلات پر صبر کرنا ہے۔کیونکہ جو شخص بھی رسول اللہ ﷺ کا نائب ہونے کی حیثیت سے دین کی تبلیغ اور جہاد کا فریضہ انجام دیتا ہے،اس کیلئے اس قسم کے مصائب ومشکلات کا پیش آنا ضروری ہے۔حضرت لقمان اپنے بیٹے کو وصیت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:''اے بیٹے!نماز قائم کرو،نیکی کا حکم دیا کرو اور برائی سے روکتے رہو اور صبر کیا کرو ہر مصیبت پر جو تمہیں پہنچے۔''(لقمان:۱۷)

اللہ تعالی نے قرآن پاک میں قسم اٹھائی ہے کہ چار صفات کے حاملین ہی نجات پانے والے ہیں:

1۔ایمان،2۔عمل صالح،3۔اُمت کو نصیحت کرنا،4۔صبر کرنا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ : ''قسم ہے زمانے کی'یقیناً انسان خسارہ میں ہے،بجزان خوش نصیبوں کے جو ایمان لے آئے اور نیک عمل کرتے رہے نیز ایک دوسرے کو حق کی تلقین کرتے رہے اور ایک دوسرے کو صبر کی تاکید کرتے رہے۔''

2- الصبر علی المعاصی (گناہوں سے صبر کرنا)

اس سے مراد نفس کی خواہشات سے مجاہدہ اور اس کے بے راہ روی کا مقابلہ اور اس کی کجی کی اصلاح اور شر وفساد کے ان اسباب کا قلع قمع کرنا ہے۔جن کو شیطان مشتعل کرتا ہے۔جب انسان اپنے نفس کا مجاہدہ کر کے اس کو پاک کر دیتا ہے اور اس کو اس کی گمراہیوں سے روک دیتا ہے۔تو وہ ہدایت کاملہ تک پہنچ جاتا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: ''اور جو (بلند ہمت) مصروف جہاد رہتے ہیں۔ ہمیں راضی کرنے کے لیے ہم ضرور دکھادیں گے انہیں اپنے راستے''۔

اور پھر اس کا شمار فلاح پانے والوں میں ہوتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

''اور جو ڈرتا ہوگا اپنے ربّ کے حضور کھڑا ہونے سے اور اپنے نفس کو روکتا رہا ہوگا ہر بری خواہش سے یقیناً جنت اسی کا ٹھکانہ ہوگا''۔ (سورہ النازعات: ۴۰،۴۱)

3- الصبر علی المصائب: (مصیبتوں پر صبر کرنا)

کیونکہ یہ دنیا امتحان اور آزمائش کی جگہ ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو مختلف قسم کے مصائب کے ذریعے آزماتا ہے اور خصوصاً مومنوں کو مختلف آزمائشوں میں مبتلا کرتا ہے۔ تاکہ مومن، منافق اور طیب اور خبیث کے درمیان فرق واضح ہو جائے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: ''کیا لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ انہیں اتنی بات پر چھوڑ دیا جائے گا کہ وہ کہیں کہ ہم ایمان لے آئے اور انہیں آزمایا نہیں جائے گا''۔

برابر ہے کہ یہ مصائب نماز میں ہوں یا بدن میں یا اہل وعیال میں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''یقیناً تم آزمائے جاؤ گے اپنے مالوں سے یا اپنی جانوں سے''۔

ارشاد فرمایا: ''اور ہم ضرور آزمائیں گے تمہیں کسی ایک چیز کے ساتھ یعنی خوف اور بھوک اور کمی کرنے سے تمہارے مالوں اور جانوں اور پھلوں میں اور خوشخبری سنایئے ان صبر کرنے والوں کو جب پہنچتی ہے انہیں مصیبت تو کہتے ہیں بے شک ہم صرف اللہ ہی کے ہیں اور یقیناً ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ یہی وہ خوش نصیب ہیں جن پر ان کے ربّ کی طرح طرح کی نوازشیں اور رحمت ہے''۔

بے شک مومن صادق ان مصائب کو صبر وتسلیم بلکہ رضا و خوشی کے ساتھ برداشت کرتا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اس کے خالق کی طرف سے نازل کردہ مصائب اس کے گناہوں کا کفارہ اور

اس کی سیئات کو مٹانے کا سبب ہیں۔ جس طرح رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''مومن کو جو تھکاوٹ، مرض، غم وحزن اور تکلیف حتیٰ کہ جو کانٹا بھی اسے چبھتا ہے اللہ تعالیٰ اسے اس کے گناہوں کا کفارہ بنا دیتا ہے''۔ اسی طرح اسے یہ بھی معلوم ہے کہ یہ مصائب ومشکلات اللہ کے نزدیک صبر کرنے والے مومنوں کے درجات ومنازل کو بلند کرتے ہیں۔ جب کہ وہ ان مصائب کو برضا وتسلیم قبول کرے۔ جس طرح کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ''بندہ جب کسی منزل کو اپنے عمل کے ساتھ نہیں پا سکتا، تو اللہ تعالیٰ اس کی جان، مال اور اہل کی آزمائش میں مبتلا کر دیتا ہے اور پھر اس کو صبر کی توفیق عطا کر دیتا ہے۔ حتیٰ کہ وہ اس منزل کو حاصل کر لیتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس کے مقدر میں لکھی ہوتی ہے۔''

صبر کی فضیلت اور اہمیت:

صبر نصف ایمان ہے، انسان کی سعادت کا راز، آزمائش سے عافیت کا مصدر ومنبع، مصائب ومشکلات سے بچنے کا ذریعہ اور مجاہدہ نفس کے لیے بہترین ہتھیار ہیں۔ یہ نفس کو شرعی احکام پر استقامت اختیار کرنے پر ابھارتا ہے اور اس کو گمراہی اور فساد کی اتھاہ گہرائیوں میں گرنے سے بچاتا ہے۔ اسی اہمیت اور بلند مرتبہ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ستر مقامات پر اس کا ذکر کیا ہے، کبھی تو اللہ تعالیٰ صبر کرنے کا حکم دیتا ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''اللہ سے مدد طلب کرو اور صبر کرو''۔ (اعراف: ۱۲۸)

اور کہیں صبر کرنے والوں کی تعریف کرتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: ''جو صبر کرتے ہیں مصیبت میں اور سختی میں اور جہاد کے وقت، یہی لوگ ہیں جو راست باز ہیں اور یہی لوگ حقیقی پرہیزگار ہیں''۔ (بقرہ: ۱۷۷)

اور کہیں خبر دیتا ہے کہ وہ صابرین سے محبت کرتا ہے:

ترجمہ: ''اور اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کو پسند کرتا ہے''۔ اور کہیں صابرین کیلئے اپنی معیت کو

اختیار کرتا ہے۔فرمایا: ''اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے''۔اور ایک مقام پر فرماتا ہے کہ صبر کرنے والوں کو بغیر حساب کے اجر دے گا۔

ترجمہ: ''صبر کرنے والوں کو ان کا اجر بے حساب دیا جائے گا''۔(زمر:۹)

ایک مقام پر ارشاد ہوتا ہے کہ ہدایت دینے والے مرشدین نے یہ مقام صبر کی ہی بدولت حاصل کیا ہے۔

ترجمہ: ''اور ہم نے بنا دیا ان میں سے بعض کو پیشوا' وہ راہبری کرتے رہے ہمارے حکم سے جب تک وہ صابر رہے''۔(السجدہ:۲۴)

احادیث طیبہ میں بھی صبر کی فضیلت کو بڑے حسین پیرائے میں بیان کیا گیا ہے۔ان میں یہ واضح طور پر بیان کر دیا گیا ہے کہ زندگی کی مشکلات اور حوادثات پر صبر کرنا مومن کی زندگی میں گہرے نقوش چھوڑتا ہے بلکہ نبی کریم ﷺ کی تمام زندگی صبر، جہاد اور قربانی کا بہترین نمونہ ہے۔آپ ﷺ نے مصائب و مشکلات میں صبر کر کے ہمارے لئے بہترین اسوۂ حسنہ چھوڑا ہے۔

احادیث طیبہ:

ترجمہ: ''حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ صبر سے بہتر اور وسیع عطیہ کسی کو نہیں دیا گیا''۔(بخاری،مسلم)

ترجمہ: ''حضرت صہیب بن سنانؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ معاملہ بھی قابل تعجب ہے۔اس کا ہر معاملہ بھلائی پر مبنی ہے اور یہ سعادت صرف مومن کو ہی حاصل ہے۔ اگر اسے خوشحالی کی نعمت نصیب ہو تو وہ اس کا شکر یہ ادا کرتا ہے اور یہ اس کیلئے خیر ہے۔اور اگر کسی مصیبت میں مبتلا ہو تو وہ صبر کرتا ہے اور یہ بھی اس کیلئے خیر ہے''۔(**مسلم**)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص لوگوں کے ساتھ مل جل کر رہتا ہے اور ان کی اذیتوں پر صبر کرتا ہے وہ اس سے بہتر ہے جو لوگوں کے ساتھ مل جل کر نہیں رہتا اور ان کی اذیتوں پر صبر نہیں کرتا''(**ترمذی**)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک نبی کا واقعہ بیان کیا ان کی قوم نے انہیں مار مار کر لہولہان کر دیا اور اپنے منہ سے خون صاف کرتے' اور فرماتے: (اے اللہ! میری قوم کو معاف فرمادے، یہ مجھے نہیں جانتی")

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میں اب بھی نبی کریم ﷺ کو یہ واقعہ بیان کرتے ہوئے دیکھ رہا ہوں۔(بخاری، مسلم)

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر اذیت پر صبر کرنے والا کوئی نہیں، کیونکہ اس کے ساتھ غیر کو شریک ٹھہرایا جاتا ہے۔ اور اس کے لیے بیٹا بنا دیا جاتا ہے لیکن اس کے باوجود بھی انہیں معاف فرمادیتا ہے اور انہیں رزق دیتا ہے۔(**مسلم۔ بخاری**)

صالحین کا صبر کو اختیار کرنا اور اس کی دعوت دینا:

صحابہ کرامؓ نے رسول اللہ ﷺ کی اسوۂ حسنہ کی پیروی کی ہے اور انہیں صبر نبی کریم ﷺ سے وراثت میں ملا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اسلام کی اشاعت میں سرتوڑ کوشش کی اور اللہ تعالیٰ نے انہیں ایسے ایمان سے نوازا جس میں مایوسی کا نام ونشان تک نہ تھا۔ اور ایسا عزم و حوصلہ اور ثابت قدمی عطا فرمائی جس میں ضعف اور کمزوری نہ تھی۔

صحابہ کرامؓ سے تابعین نے روحانی فیض حاصل کیا اور پھر اسی طرح یہ فیض مختلف ادوار طے کرتا ہوا ہم تک پہنچا۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

ترجمہ: "میری امت کا ایک گروہ حق پر غالب رہے گا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کا حکم (قیامت) آجائے گا۔ اور وہ غالب ہی ہوں گے"۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا جب بیٹا وفات پا گیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ نے اس کی روح قبض کرنے کا ارادہ فرمایا میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں ایسی محبت سے جو اللہ کے ارادہ کے مخالف ہو۔"

صبر کے بارے میں حضرت امام مالک رحمتہ اللہ علیہ کا ایک واقعہ بڑا سبق آموز ہے۔ آپ ایک دن حدیث پاک کا درس دے رہے تھے کہ آپ کو بچھو نے سولہ بار ڈنگ مارا جس کی وجہ سے آپ کا رنگ متغیر ہو گیا لیکن آپ نے حدیث پاک کی تعظیم کی وجہ سے اپنے کلام کو قطع نہ کیا''۔

حضرت ذوالنون مصریؒ ایک مریض کی عیادت کیلئے تشریف لے گئے۔ دوران گفتگو اس مریض کی چیخ نکلی تو حضرت ذوالنون نے فرمایا: (جو اس کی ضرب پر صبر نہ کرے وہ محبوب صادق نہیں) تو اس مریض نے جواب دیا: (بلکہ جو اس کی ضرب سے لطف اندوز نہ ہو وہ محبّ صادق نہیں۔'')

ابن شبرمہ رحمتہ اللہ علیہ پر جب کوئی مصیبت نازل ہوتی تو فرماتے: ''یہ تو بادل ہے تھوڑی دیر بعد چھٹ جائے گا۔'' صبر کے بارے میں صوفیائے کرام نے اپنی عمدہ اور تعجب خیز کلام فرمائی ہے۔ حضرت شبلی رحمتہ اللہ علیہ سے صبر کے متعلق پوچھا گیا تو آپؒ نے فرمایا:

''وہ صبر پر غالب آگیا اور صبر نے اس سے مدد کی درخواست کی تو محبّ نے صبر سے کہا صبر کرو''۔

صوفیائے کرام کو اللہ تعالی نے عظیم محاسن اور خوبیوں سے نوازا ہے یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے صبر کے سائے میں اللہ تعالی کی بھرپور خوشنودی حاصل کی اور ان پر اللہ تعالی کا ارشاد صادق آتا ہے: ''جو کہ جب پہنچے انہیں کوئی مصیبت تو کہتے ہیں۔ بے شک ہم اللہ ہی کے ہیں اور یقیناً ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں''۔

ان کا صبر اللہ کیلئے ہوتا ہے اور وہ اسی کی بارگاہ میں رجوع کرتے ہیں۔ اس لئے وہ اس بات کے سزاوار ہیں کہ انہیں ان کا پروردگار بغیر حساب و کتاب کے اجر و ثواب عطا فرمائے اور صابرین کیلئے اجر بھی کیا خوب ہے! ارشاد باری تعالی ہے: ''یہی وہ خوش نصیب ہیں جن پر ان کے ربّ کی طرح طرح کی نوازشیں اور رحمت ہے''۔ رسول اللہ ﷺ کی ذات صبر میں صوفیائے کرام کیلئے بہترین نمونہ ہے۔ آپ ﷺ جب بھی کسی آزمائش سے گزرتے' آپ ﷺ کے صبر اور ثابت قدمی میں مزید اضافہ ہو جاتا۔ کیونکہ یہی انبیاء و رُسل علیھم الصلوۃ والسلام کی

سنت ہے۔جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''پس اے محبوب! آپ ﷺ صبر کیجئے جس طرح اولو العزم رسولوں نے صبر کیا ہے''۔اسی طرح اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو دین کی دعوت میں مشکلات برداشت کرنے اور مشرکین کی اذیتوں پر صبر کرنے کا حکم فرمایا۔ارشاد فرمایا:

ترجمہ: ''اور آپ ﷺ صبر فرمایئے اور نہیں ہے آپ ﷺ کا صبر مگر اللہ کی توفیق سے اور رنجیدہ نہ ہوا کریں ان پر اور نہ غمزدہ ہوا کریں ان کی فریب کاریوں پر''۔

خلاصۂ کلام: یہ ہے کہ صبر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی صفت، اصفیاء کا زیور، نیکیوں کی کلید اور قرب الٰہی کا راستہ ہے۔سالک کسی مرحلہ میں بھی اس سے مستغنی نہیں ہو سکتا۔کیونکہ ہر مقام کے لیے صبر ہوتا ہے جو اس کے مناسب ہوتا ہے۔

ابن عجیبہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''صبر پروردگار کے حکم پر دل کو پابند کرنے کا نام ہے''۔عام لوگوں کا صبر احکام الٰہیہ کی مخالفت کو ترک کرنا اور طاعت کی مشقتوں پر دل کو پابند کرنا ہے۔اور خاص لوگوں کا صبر، مجاہدہ اور ریاضت پر نفس کو پابند کرنا اور حجابات کو اٹھانے کا مطالبہ کرنا اور دائمی حضوری میں مراقبہ قلب کے ساتھ راہ سلوک کے مصائب کو برداشت کرنا ہے۔خاص الخواص کا صبر، مشاہدہ حق میں روح اور سر کو پابند کرنے کا نام ہے یا حریم ناز میں حاضری اور دائمی دیدار پر روح کو پابند کرنے کا نام ہے''۔صدق، اخلاص اور صبر تینوں صفات راہ سلوک کے بنیادی ارکان ہیں۔اور جس شخص نے اپنے سلوک کی بنیاد ان صفات پر نہ رکھی وہ اس قافلہ عشق و مستی سے منقطع ہو جاتا ہے، اگرچہ اس کا یہی گمان ہوتا ہے کہ وہ اس قافلہ کے ساتھ ہے۔وہ راستہ میں ہی رک جاتا ہے۔اگرچہ وہ اپنے گمان کے مطابق منزل مقصود کی طرف رواں دواں ہوتا ہے اخلاص کی حقیقت توحید مطلوب ہے جس طرح کہ صدق کی حقیقت توحید طلب ہے۔اور ان چیزوں پر صبر کرنا عین کمال ہے۔

مومن کاتحفہ

(مولانا شاہ محمد جعفر پھلواروی)

طبرانی نے کبیر میں حضرت عبداللہؓ بن عمرو بن العاص سے حضورؐ کا ارشاد یوں نقل کیا ہے:

تحفة المومن الموت: ''موت مومن کا تحفہ ہے۔''

دنیا کی سب سے بھیانک چیز موت اور اس کا تصور ہے۔ ہر شخص پورے یقین کے ساتھ یہ جانتا ہے کہ موت ضرور آکر رہے گی اور اس سے کسی ذی حیات کا مفر نہیں۔ ایک ملحد، بے دین اور دہریہ خدا کے وجود کا منکر ہونے کے باوجود بھی موت کا منکر نہیں ہوتا۔ انکار خدا کے ساتھ ہی اسے منکرِ آخرت بھی ہونا پڑتا ہے۔ اس کی ایک خاص وجہ یہ ہے کہ خدا کے دیے ہوئے اوامر ونواہی کا تعلق مآل، انجام یا آخرت ہی سے ہے۔ منکرِ خدا اپنے آپ کو خدائی اوامر ونواہی کی پابندیوں سے آزاد رکھنا چاہتا ہے۔ اس لیے ان کے عقلی نتائج وانجام سے بھی انکار کر دیتا ہے۔ یوں تو وہ دنیا میں ہر عمل کے نتیجے کو دیکھتا اور جانتا ہے لیکن پوری زندگی کے مجموعی نتیجے آخرت اور نئی زندگی کو بے معنی اور ناممکن سمجھتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ موت کے ساتھ زندگی کے تمام قصے ختم ہو جاتے ہیں اس لیے آگے کچھ نہیں۔ ان تمام باتوں کے باوجود موت کا خوف اس پر بھی طاری رہتا ہے۔ خوشی سے مرنا کوئی نہیں چاہتا۔ ہر شخص کی خواہش یہی ہوتی ہے کہ اس چندروزہ حیات میں جتنا بھر بھی اضافہ ہو جائے بہتر ہے۔ کم ہی لوگ ایسے ہیں جو شدید مصائب میں خودکشی کر لیتے ہوں ورنہ انسانی فطرت یہ ہے کہ سخت سے سخت آزمائشوں میں بھی زندگی سے دست بردار ہونے کے لیے

کوئی تیار نہیں ہوتا اور اُسے ایک طرح کی آس لگی ہوتی ہے کہ شاید آئندہ اچھے دن دیکھنے نصیب ہوں اگر یہ آس بالکل ختم ہو جائے جب بھی موت کو بخوشی دعوت دینے پر کوئی آمادہ نہیں ہوتا۔ کیونکہ زندگی سب کو محبوب ہوتی ہے۔ اور موت سے سب ڈرتے ہیں۔

(''ان میں سے بعض کی تمنا یہ ہوتی ہے کہ کاش ہزار سال کی زندگی ہو جائے'')۔

مرنے والا اگر موت سے خائف نہ بھی ہو تو کم سے کم یہ ضرور ہوتا ہے کہ اس کے سامنے کچھ دنیا کی لذتیں ہوتی ہیں جو اُسے حاصل ہیں یا جن کے حاصل ہونے کی اُمید ہوتی ہے۔ کچھ احباب، اقرباء اور ایک خاص سوسائٹی ہوتی ہے۔ کچھ آرزوئیں ہوتی ہیں جن کو وہ بروئے کار لانا چاہتا ہے۔ غرض بہت سی چیزیں اس کے سامنے ایسی آتی ہیں جن کے چھوٹنے کا اسے غم ہوتا ہے اور یہ غم اُسے موت کی آغوش میں جانے کی بجائے مزید زندگی کا خواہش مند بنا دیتا ہے۔

غرض یا تو زندگی ختم ہونے کا غم ہوتا ہے یا موت کے آنے کا خوف ہوتا ہے یا دونوں کیفیتیں مخلوط شکل میں ہوتی ہیں اور انسان کچھ اور زندہ رہنا چاہتا ہے۔

موت کا یہ خوف محض اس لیے ہوتا ہے کہ حیات و موت کے متعلق عموماً صحیح تصور قائم نہیں کیا جاتا۔ زندگی باوجود درحقیقت ایک ایسا سکہ ہے جس کے دو رُخ ہوتے ہیں۔ ایک رُخ وہ ہوتا ہے جسے ہم اس دنیا کی زندگی کہتے ہیں اور دوسرا رُخ وہ ہوتا ہے جو دنیا کی یہ چند روزہ زندگی ختم ہونے بعد شروع ہوتا ہے۔ اسی کا نام تو موت ہے لیکن دراصل یہ زندگی ہی کا دوسرا حصہ ہوتا ہے بلکہ یوں کہیے کہ یہ اگلا ارتقائی قدم ہوتا ہے۔ جب ایک بچہ جوان ہوتا ہے تو اس کا بچپنا مر جاتا ہے لیکن یہی موت ہے جس کے بعد جوانی کی زندگی شروع ہوتی ہے۔ زندگی بچپن بھی تھی اور زندگی شباب بھی ہے۔ لیکن یہ زندگی پہلی زندگی ختم ہونے کے بعد ہی حاصل ہو سکتی ہے۔ بس یہی صورت یہاں بھی ہے کہ ایک زندگی کی موت کے بعد ہی دوسری زندگی شروع ہوتی ہے۔

پہلی کا نام دنیا اور دوسری کا نام آخرت ہے۔

اس حقیقت کو جو لوگ سمجھ لیتے ہیں انھیں دنیا کی زندگی ختم ہونے کا کوئی غم نہیں ہوتا مگر نئی اُخروی زندگی میں محاسبہ اعمال کا خوف ہوتا ہے۔ یہ بھی ایک ابتدائی درجہ ہے اور ارتقائے ایمانی کی دلیل ہے۔ لیکن ایک درجہ اس سے بھی بلند تر ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ مرنے والے کو نہ تو دنیا چھوٹنے کا غم ہوتا ہے نہ اُخروی باز پرس کا خوف۔ یہ مقام ان لوگوں کو حاصل ہوتا ہے۔ جن کی زندگی کمالِ عبدیت میں گزری ہو اور اُمیدِ رحمت ان کا سرمایہ حیات بن گئی ہو۔ یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو مرنے سے پہلے ہی اپنا مقام دیکھ لیتے ہیں۔ پھر تو وہ اس مقام کو حاصل کرنے کے لیے بے چین ہو جاتے ہیں۔ انہیں نہ تو اُخروی باز پرس کا خوف ہوتا ہے نہ دنیا چھوٹنے کا غم۔ یہ ہوتے ہیں اللہ کے دوست۔ **الا ان اولیاء اللّٰہ لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون۔** مرنے والے عموماً مرتے وقت **واکربـاہ** (ہائے تکلیف) کہتے ہیں اور یہ عین تقاضائے بشریت ہوتا ہے جو نیک و بد سب کے ساتھ ہوتا ہے لیکن ایک مقام ایسا بھی ہوتا ہے جہاں پہنچنے کے بعد سیدنا بلالؓ نے مرتے وقت واکرباہ کی بجائے **واطربـاہ** (مزے ہیں مزے!) کہہ کر خوشی کا نعرہ لگایا اور اس اظہارِ مسرت کی وجہ یوں بیان کی کہ: **غداً القی الاحبہ، محمدًا وصحبہ۔**

"کل میں اپنے پیاروں سے ملوں گا محمد ﷺ اور ان کے رفقاء سے ملوں گا۔"

یہی وہ حقیقت ہے جسے حضور ﷺ نے یوں ادا فرمایا کہ:

تحفة المومن الموت ﴿موت تو مومن کے لیے تحفہ ہے۔﴾

اگر مومن اُخروی باز پرس سے خائف ہو تو یہ خوف بھی اس کے ایمان کی دلیل ہے اور موت اس کے لئے بھی تحفہ ہے۔ ایمان کی ایک منزل یہ بھی ہے کہ وہ خوف اور اُمید کی درمیانی کیفیت میں ہوتا ہے۔ بعض اہلِ ایمان کی نزاکتِ احساس اتنی بڑھی ہوئی ہوتی ہے کہ اپنی معمولی لغزشیں

بھی سامنے آجاتی ہیں۔اس وقت اگرچہ رحمتِ الٰہی سے مایوس بالکل نہیں ہوتے مگر بعض لغزشوں کا احساس شدت اختیار کرلیتا ہے اوران کا دل کچھ دیر خوف ورجاء کے درمیان جھولا جھولتا رہتا ہے مگر آخرکار وہ بھی مرنے سے پہلے اپنا مقام دیکھ کر خوشی سے مسکرانے لگتے ہیں:

نشانِ مردِ مومن با تو گویم
چوں مرگ آید تبسم برلبِ اوست

بخاری و مسلم، موطا اور نسائی میں ابوقتادہ سے ایک اور ارشادِ نبوی بھی مروی ہے جس کی رو سے مردِ مومن کی موت اس کے لیے تحفہ ہوتی ہے۔اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ برے جب مرتے ہیں تو دنیا کو ان کے شر سے نجات مل جاتی ہے اور جب مومن مرتا ہے تو دنیا کے شر سے اُسے نجات مل جاتی ہے۔مومن اگر اپنی شدتِ احساس کی وجہ سے خوف واُمید کی درمیانی کیفیت میں اٹکا ہو یا بظاہر وہ اپنا مقام مرنے سے پہلے نہ بھی دیکھ سکا ہو جب بھی اس کی موت اس کے لیے تحفہ ہی ہوتی ہے۔اس حدیث میں موت کی ایک ایسی اعلیٰ قدر اور ایسا ارفع تصور دیا گیا ہے جس پر یقین وایمان ہونے کے بعد زندگی اور موت دونوں کی قدریں بدل جاتی ہیں۔(ومحیای ومماتی للّٰہ ربّ العلمین) تو اس کے لیے اس کی زندگی بھی نعمت ہے اور موت بھی تحفہ ہے۔

انسانیت

(حکیم محمد سعیدؒ)

۱۴جولائی سنہ۱۹۸۵ء کے ڈان کے صفحہ پر ایک خاصی بڑی سی تصویر چھپی تھی جس کے نیچے مندرجہ ذیل عبارت درج تھی؛

''**آزاد کردہ ریچھ**: حال ہی میں بھارتی وزیر اعظم راجیو گاندھی کی پیرس میں آمد کی تقریبات میں بھارتی ٹرینو محمد فتشی اور اس کے ریچھ منا کی تصویر۔ ''منا'' کو دریائے سائین کے کنارے پر اس کے پنجرے سے حیوانی حقوق کے گروہ ''وکٹر ہیوگو'' نے اغوا کرلیا۔ اس کا کہنا تھا کہ منا کو اس لیے آزادی دلائی گئی تا کہ اسے ''ریچھ کا وقار'' واپس مل سکے۔''

اس کرۂ ارض پر پیش آنے والے واقعات سے بالکل بے خبر کسی شخص کی نظر سے اگر تنہا عبارت گزرے تو وہ اس نتیجے پر پہنچے گا کہ دنیا میں جذبہ محبت واحترام اب اس حد تک فروغ پا چکا ہے کہ حیوانات کی آزادی اور ان کے وقار کے تحفظ کی خاطر انسانوں کی انجمنیں انتہائی کوششیں کر رہی ہیں!! کیا واقعتاً صورت حال یہی ہے؟ اس سوال کے جواب کے لیے کسی تحقیق وجستجو کی ضرورت نہیں اور نہ اس کے لیے کوئی گہرا غور وفکر درکار ہے۔ یہ ایک ایسا سوال ہے جس میں مضمران گنت عمرانی مظاہر سے ہمیں روز واسطہ پڑتا ہے۔ دراصل ہماری زندگی میں کوئی صبح ایسی نمودار نہیں ہوتی جو اس تاثر کی تکذیب نہ کرتی ہو جو اوپر بیان ہو چکا ہے۔ ہمارے تجربے اور مشاہدے میں پورے تسلسل کے ساتھ یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ آج کا انسان ابھی اس منزل سے بہت دور ہے جہاں اس کا جذبہ محبت اس کے ابنائے جنس کو اپنی برکتوں سے مالامال کرنے کے بعد حیوانات کو اپنے حسن وگداز سے نوازتا ہو۔

اگر واقعات کی روشنی میں حقیقت کا جائزہ لیا جائے تو معاملہ برعکس نظر آتا ہے اور حیوانی

حقوق کی تو کیا! خود انسانی حقوق کی بے دریغ پامالی کا اندوہ ناک عالم ہے۔ جذبہ محبت و احترام کی سب سے زیادہ چہل پہل کے مظاہرے انسانیت کے ساتھ وابستہ ہونے کے بجائے مفادِ نفس کے تابع ہو کر رہ گئے۔ یہاں پر یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ انسانیت کا لفظ ہمارے ہاں نوعِ انسان اور مکارمِ اخلاق کے دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ ان دونوں معنوں میں ہمارا جذبہ محبت جس حد تک کارفرما ہے وہ نہ صرف یہ کہ قابلِ رشک نہیں' بلکہ باعثِ صد افسوس ہے۔ بلاشبہ دنیا کے مختلف گوشوں میں انسانی اور حیوانی حقوق کے تحفظ کی انجمنیں اور پھر عالمی سطح پر اقوامِ متحدہ کی متعدد تنظیمیں مثلاً عالمی ادارۂ صحت، خوراک و زراعت خدمات انجام دے رہی ہیں۔ اسی طرح اصحابِ ثروت اپنی اپنی غیر سرکاری تنظیموں کے ذریعے سے حتی المقدور انسان کی فلاح و بہبود کی انتہائی وسیع سرگرمیوں میں منہمک ہیں۔ یہی نہیں' بلکہ ایسی سوسائٹیاں بھی ہیں جو حیوانات کے ساتھ بے رحمی کے سلوک کے انسداد کے لیے وقف ہیں' لیکن محبت و احترامِ انسانیت کے ان تمام مظاہر کو معنوی طور پر جمع کر لینے کے بعد اگر آپ ترازو کے دوسرے پلڑے میں مفادِ نفس کے مظاہر کو رکھ کر دیکھیں تو یہ نتیجہ کھل کر آپ کے سامنے آ جائے گا۔ حسد و بغض' نفرت و عداوت' فتنہ و فساد' لوٹ کھسوٹ' قتل و غارت' غرض استحصالِ آدم اور انسانیت دشمنی کی کوئی قسم ایسی نہیں جس کی ستم کاریوں کا تمام تاریخی ریکارڈ دورِ حاضر میں نہ توڑا جا رہا ہو۔

ایک انوکھی اور بے حد الم ناک بات یہ ہوئی کہ بڑی حد تک اخلاص رخصت ہو گیا اور اس کی جگہ پورے طنطنے کے ساتھ پروپیگنڈے کے فن نے لے لی ہے۔ چندر گپت کے چانکیہ اور پندرھویں' سولھویں صدی عیسوی میں اٹلی کے میکیاولی کی باتیں اب پرانی ہو چکی ہیں۔ ان کی ترک تازیوں کو ذہنِ جدید نے بہت آگے بڑھا دیا ہے۔ یہاں تک کہ انسانی تاریخ میں بیسویں صدی کو یہ فخر حاصل رہے گا کہ اس میں دروغ گوئی کو سائنسی بنیادوں پر ایک آفاقی علم و عمل کا بارعب وقار حاصل ہوا اور ڈنکے کی چوٹ بدترین استحصال کرتے ہوئے اور ملکوں اور قوموں کی آزادی کو غصب کرتے استحصال کو ختم کرنے کے بلند ترین نعرے لگائے گئے۔ اس ذہن نے صرف مزدوروں ہی کے فکر و عمل کو زہر آلود نہیں کیا' بلکہ اس نے علم و ادب کے ایوانوں کو بھی مسموم

کر کے رکھ دیا۔اس طرح مادّیت پرستی اور نفس پرستی سے پوری دنیا کو اپنے شکنجے میں جکڑ لینے کے دو حریف دعوے دار ایک دوسرے کے بالمقابل صف آرا ہو گئے اور چکی کے ان دو پاٹوں کے درمیان انسانیت بری طرح پسنے لگی۔

محبت غرض مندی کے صحراؤں میں نہیں، ایثار نفس کے چمن زاروں میں پائی جاتی ہے۔

انسانیت سے محبت کی ایسی کوئی قسم نہیں ہے کہ یہ خلوص تمام اس کے لیے چند مخصوص اوقات اور چند مخصوص ڈھنگ متعین کر لینے کے بعد باقی ماندہ زندگی کو نفرت وعداوت کے مظاہر کے حوالے کر دیا جائے۔محبت کا پاکیزہ جذبہ، بلکہ انسانی نفسیات کا ہر جذبہ اپنے ظہور ونمود کے لیے ناگزیر طور پر یک طرفی کا طالب ہے۔یہ یک طرفی کی شرط کہیں بھی حقیقی استثنٰی کو گوارا نہیں کرتی اور یہ بات نہ صرف اس کی فطرت کا اندرونی تقاضا ہے، بلکہ خارجی کائنات میں اس کی مثبت اور معنی خیز آرائی بھی صرف اسی صورت میں ممکن ہے۔ٹھیک یہی وہ مقام ہے جہاں پر ہمیں اس حقیقت کبریٰ کی یاد آتی ہے کہ توحید آفاق وانفس کی سب سے بڑی ضرورت ہے۔توحید آفاق تو نظام کائنات کی وہ فطری ہم آہنگی اور یک طرفی ہے جس میں انسان کے ارادہ واختیار کا کوئی دخل نہیں، لیکن توحید انفس کی سب سے بڑی ضرورت ہے۔اسلام کی صراط مستقیم ہی توحید انفس کی ضمانت ہے اور اسی پر گامزن ہو کر انسانیت سے محبت میں عظمت ورفعت، خلوص وایثار، ہم آہنگی ویک رنگی پیدا ہوتی ہے۔اسلام کی محبت انسانیت کیفیت وکمیت، دونوں اعتبار سے نادرو بے مثال ہے۔محبت انسانیت کا کوئی پہلو ایسا نہیں جو انتہائی حسن وخوبی کے ساتھ اس میں نہ پایا جاتا ہو۔اگر آپ اس کی مثال پوچھیں تو میں کس کس جگہ انگلی رکھ کر بتاؤں، عہد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اور عہد خلافت راشدہ کی تو پوری تاریخ انسانیت سے محبت کا مرقع ہے۔بعد کے ادوار میں، اور آج بھی، اگر عمل کے میدانوں سے، بالخصوص اس صراط مستقیم کے تقاضوں سے انسانیت سے محبت کے تقاضے سمیت منھ موڑ لیا گیا ہو تو شکوے کا حقدار کون ہے اور قصوروار کون؟

آیئے! ہم تجدید عہد وفا کر لیں اور اس طرز فکر وعمل کو ہم آہنگی سے اختیار کر لینے پر کمر بستہ ہو جائیں جس سے انسانیت تشکیل پاتی ہے اور جس سے محبت انسانیت چشمہ آب حیات کی طرح پھوٹتی ہے۔

ایفائے عہد

(پیر خان توحیدی)

ایفائے عہد کے معنی ہیں وعدہ وفا کرنا۔وعدہ پورا کرنا۔

ایفائے عہداور وعدہ کا پورا کرنا پسندیدہ اخلاق کی ایک نشانی ہے۔یہ کہنے میں کوئی مبالغہ نہیں کہ یہ خصلت معاشرے میں انسان کی کامیابی کے اہم عوامل میں سے ہے۔اورانسان کی عظمت وقاراوراس کے معاشرتی معیار کی بلندی پر دلالت کرتی ہے۔قومی ترقی کے لیے بھی ایفائے عہد اتنا ہی ضروری ہے جتنی اور صفاتِ حسنہ،ایفائے عہد اسلامی اخلاق میں سب سے بنیادی خصلت ہے اور مسلمان کے ایمان اور حسن اسلام کی صحت پر سب سے زیادہ دلالت کرتی ہے۔اس لئے احادیث اورقرآنی آیات میں اس خصلت کے اختیار کرنے پر زور دیا گیا ہے اوراس کے علامت ایمان ہونے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔جولوگ اس خصلت سے عاری ہوتے ہیں انہیں ڈرایا گیا ہے کہ اس خصلت کے اختیار نہ کرنے کو علامت نفاق قرار دیا گیا ہے۔ارشادِ ربانی ہے۔

(یاایھا الذین امنو اوفو بالعقود)(المائدہ1)اے لوگو جوایمان لائے ہو اپنے وعدوں کی پاسداری کرو۔اپنے وعدوں کو پورا کرو۔اورفرمایاواوفو بالعھدان العھد کان مسئولا(بنی اسرائیل34)عہد کی پابندی کرو بے شک عہد کے بارے میں تم سے سوال ہوگا یعنی بازپرس ہوگی۔رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے۔(ایة المنافق ثلاث اذا حدث کذب واذا وعدا خلف واذا اوتمن خان)منافق کی تین نشانیاں ہیں(1)جب گفتگو کرے تو جھوٹ بولے(2)جب وعدہ کرے تو پورا نہ کرے(3)جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے مسلم کی روایت میں یہ اضافہ بھی ہے وان صام وصلی وزعم انہ مسلم

وہ منافق ہی ہے خواہ روزے رکھے نماز پڑھے اور دعویٰ کرے کہ وہ مسلمان ہے مندرجہ بالا آیاتِ قرآنی اور حدیث نبوی سے معلوم ہوا کہ وعدہ کوئی ہوائی کلمہ نہیں کہ جسے کوئی انسان محض اپنی زبان سے ادا کرے اور پھر اس کی ذمہ داریوں کو پورا کرنا ضروری نہ سمجھے جیسا کہ آج کل بہت سے لوگ کرتے ہیں۔ مسلمان کا یہ شیوہ نہیں کہ وہ وعدہ کرے پھر پورا نہ کرے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے **(یا ایھا الذین امنو لم تقولون مالا تفعلون کبر مقتا عند اللّٰہ ان تقولو مالا تفعلون)** الصّف۔ اے لوگو جو ایمان لائے ہو تم کیوں وہ بات کہتے ہو جو کرتے نہیں۔ وعدہ خلافی اور عہد شکنی بہت بری اور قابلِ نفرت چیز ہے جسے اللہ اپنے مومن بندوں کے لیے ناپسند کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ ہر مسلمان جب وعدہ کرے تو ضرور پورا کرے۔ لیکن افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ آج کل ایسے لوگ بہت کم ملتے ہیں جو اپنا وعدہ وفا کرتے ہوں۔

آدمی کی اسلام میں حسن وخوبی صرف روزہ، نماز، حج اور دیگر عبادات سے ہی ثابت نہیں ہوتی بلکہ اس کا اثبات انسان کی نفسیات سے ہوتا ہے جو اسلامی تعلیمات سے متاثر ہوتی ہے یہاں تک کہ اس کی ذات سے بلند اخلاق اور اعلیٰ اقدار کی خوشبو پھوٹنے لگتی ہے وہ اللہ کے حدود کی پاسداری کرتا ہے اس کے اوامر اختیار کرتا ہے اور نواہی سے بچتا ہے اور ہر چیز میں اس کی ہدایت کا خیال رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حقیقی اور سچے مسلمان کی زندگی میں جھوٹ۔ عہد شکنی۔ بے وفائی اور خیانت کا شائبہ تک نہیں پایا جاتا کیونکہ یہ اسلامی اخلاق کے منافی ہے۔ یہ چیز صرف منافقین کے اخلاق میں پائی جاتی ہے۔ اس تلخ حقیقت کو ان تاجروں۔ کاریگروں۔ ملازموں اور حکومتی ایوانوں میں بیٹھے ہوئے اقتدار کے پجاریوں کو جان لینا چاہیے جو لوگوں سے اپنے کام کو متعین وقت میں پورا کرنے کا وعدہ تو کر لیتے ہیں مگر پھر وعدہ پورا نہیں کرتے بلکہ یہ کہہ دینے میں بھی کوئی عار نہیں سمجھتے کہ یہ کوئی قرآنی آیت یا حدیث نہیں جسے پورا کیا جائے۔ حیف ہے ایسے لوگوں پر جن کو یہ بھی معلوم نہیں کہ یہ بھی اللہ ہی کا حکم ہے کہ تم اپنے وعدوں کو پورا کرو۔ کل جب یہ لوگ چار فٹ زمین کے اندر جائیں گے تو انہیں اپنے کرتوتوں کا پتہ چل جائے گا۔

بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ جناب خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے تعمیر ملت کے محاسن اور معائب اخلاق کے باب میں ایفائے عہد کے بارے میں لکھا ہے کہ قیامت میں اس کے بارے میں باز پرس کی جائے گی۔ بعض اوقات وعدہ خلافی کے نتائج بہت ہی برے ہوتے ہیں اور جس شخص سے وعدہ کیا جاتا ہے اس کو نہ صرف جسمانی اور روحانی ایذا بلکہ طرح طرح کا نقصان بھی پہنچتا ہے باباجی نے اپنے مشاہدے کا ایک واقعہ یوں لکھا ہے کہ ایک شخص نے محض اس لئے خودکشی کر لی تھی کہ اس کے ایک دوست نے جو روپیہ اس کو دینے کا وعدہ کیا تھا حسب وعدہ وقت پر ادا نہیں کیا۔ باباجی آگے لکھتے ہیں کہ جس قوم کے افراد میں وعدہ خلافی کی عادت عام ہو وہ کبھی ترقی نہیں کر سکتی وعدہ خلافی سے تو ہزار درجہ بہتر ہے کہ وعدہ کیا ہی نہ جائے۔ انہی خرابیوں اور نقصانات کو مدنظر رکھتے ہوئے باباجی نے توحیدی بھائیوں کو روپے کے لین دین سے منع کر دیا تھا۔ کیونکہ وہ نہیں چاہتے تھے کہ توحیدی بھائی جنہیں آپس میں پیار و محبت کا درس دیا جاتا ہے وہ دست و گریباں ہوں اور ان کے دلوں میں بجائے پیار و محبت کے نفرت جنم لینے لگے۔

میں نے آج تک جتنے قرض لینے والے لوگوں کو دیکھا یا جن کے بارے میں میں نے سنا اُن میں بمشکل دو تین فیصد لوگ ایسے ہیں جو وعدے کے مطابق قرض واپس کرتے ہوں باقی ستانوے فیصد لوگ قرض کے معاملہ میں وعدہ شکنی کرتے ہیں جسکی وجہ سے فریقین میں نہ صرف گالی گلوچ ہوتی ہے بلکہ جھگڑے فساد قتل و غارت تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ دوستی کی راہیں بند اور دشمنی کی راہیں کھل جاتی ہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ کسی کو قرض نہیں دینا چاہیے۔ قرض دینا بھی صدقہ جاریہ ہے کسی کو اس کی مجبوری میں مدد کرنا بہت بڑا ثواب ہے اللہ تعالیٰ کا بھی حکم ہے کہ جب تم لین دین کرو تو لکھ لیا کرو لکھ لینے سے مراد یہ ہے کہ کتنی رقم ہے اور کب واپس کی جائے گی۔ اب لینے والے کا یہ فرض بنتا ہے کہ وقت مقررہ پر رقم واپس کر کے اپنا وعدہ پورا کرے۔

یہ حقیقت ان لوگوں کے بھی گوش گزار ہو جانی چاہیے جو کسی معاملہ میں معاہدہ کرتے ہیں پھر اسے پورا نہیں کرتے اسی طرح ان لوگوں کو بھی بخوبی واقف ہو جانا چاہیے جنہیں کسی مال کسی راز،

کسی میراث یا کسی اور شے کا امین بنایا جاتا ہے۔مگر پھر وہ لوگ اس میں خیانت کرتے ہیں ان تمام لوگوں کو جان لینا چاہیے کہ ان کا شمار منافقین کے گروہ میں ہوگا خواہ وہ لوگ کتنے ہی روزے رکھیں نمازیں پڑھیں اور کتنا ہی دعویٰ کریں کہ وہ مسلمان ہیں۔

آخر میں قارئین کی دلچسپی کے لیے ایفائے عہد کا ایک تاریخی واقعہ پیش کرتا ہوں۔

ایک دن عمر فاروقؓ کا پُر وقار مگر سادہ دربار خلافت سرگرم عدل و انصاف تھا۔اکابر صحابہؓ بھی موجود تھے کہ اچانک ایک خوبرو نوجوان کو دو نوجوان پکڑے ہوئے لائے۔اور فریاد کی یا امیر المومنینؓ اس ظالم سے ہمارا حق دلوایئے کہ اس نے ہمارے بوڑھے باپ کو مار ڈالا ہے۔حضرت عمرؓ نے اس نوجوان کو دیکھ کر فرمایا ہاں تیرا کیا جواب ہے؟۔نوجوان نے کہا ہاں میں نے طیش میں آکر ایک پتھر کھینچ مارا جسکی ضرب سے وہ ضعیف مر گیا۔حضرت عمرؓ نے فرمایا چونکہ تو نے جرم کا اعتراف کرلیا ہے لہٰذا قصاص کا عمل لازمی ہوگیا ہے۔جوان نے سر جھکا کر عرض کی مجھے آپ کا حکم ماننے میں کوئی عذر نہیں لیکن ایک بات کی درخواست ہے کہ میرا ایک چھوٹا نابالغ بھائی ہے جس کے لئے والد مرحوم نے کچھ سونا میرے سپرد کیا تھا کہ جب وہ بالغ ہو تو اُس کے حوالے کردوں۔میں نے اس سونے کو زمین میں دفن کردیا تھا جس کا حال میرے سوا کوئی نہیں جانتا۔اگر وہ امانت اُس کو نہ پہنچی تو قیامت کے دن مجھ سے پوچھ ہوگی اس لیے اتنا چاہتا ہوں کہ تین دن کے لیے ضمانت پر چھوڑ دیا جاؤں۔امیر المومنینؓ نے اس کے بارے میں سر جھکا کر غور فرمایا اور پھر ارشاد فرمایا کون تیری ضمانت دیتا ہے کہ تو تین دن کے بعد تکمیل قصاص کے لئے چلا آئے گا۔اِس نوجوان نے چاروں طرف دیکھا اور حاضرین کے چہروں پر سرسری نظر ڈالی اور جناب ابوذر غفاریؓ کی طرف اشارہ کرکے عرض کیا یہ صاحب میری ضمانت دیں گے۔حضرت عمرؓ نے حضرت ابوذرؓ سے پوچھا کہ کیا تم ضمانت کرتے ہو انہوں نے فرمایا بے شک میں ضمانت کرتا ہوں چونکہ یہ ایک جلیل القدر صحابی کی ضمانت تھی۔اس لئے امیر المومنینؓ راضی ہوگئے دونوں مدعی نوجوانوں نے بھی اپنی رضامندی ظاہر کردی اور وہ شخص چھوڑ دیا گیا اب تیسرا دن تھا حضرت عمرؓ

کادربار بدستور قائم ہوا تمام جلیل القدر صحابہؓ جمع ہوئے دونوں مدعی بھی آ گئے حضرت ابوذرؓ بھی تشریف لے آئے اور وقت مقررہ پر مجرم کا انتظار ہونے لگا۔وقت گزرتا جاتا تھا لیکن مجرم کا پتہ نہیں۔صحابہؓ میں ابوذرؓ کی نسبت تشویش ہونے لگی دونوں نوجوانوں نے کہا اے ابوذرؓ ہمارا مجرم کہاں ہے۔ابوذرؓ نے کمال استقلال اور ثابت قدمی سے جواب دیا کہ اگر تیسرے دن کا وقت گزر گیا اور وہ نہ آیا تو خدا کی قسم میں اپنی ضمانت پوری کروں گا۔عدالت فاروقیؓ بھی جوش میں آئی حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر مجرم نہ آیا تو ابوذرؓ کی نسبت وہی کاروائی کی جائے گی جس کی شریعت اسلامی متقاضی ہوگی۔یہ سن کر صحابہؓ میں تشویش پیدا ہوئی اور بعض صحابہؓ کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو گئے۔مجبور ہو کر لوگوں نے مدعیان سے کہا کہ تم خون بہا قبول کر لو مگر انہوں نے قطعی انکار کیا اور کہا خون کے بدلے خون ہی چاہتے ہیں۔غرض لوگ اس پریشانی میں تھے کہ ناگہاں پسینے میں ڈوبا ہوا سانس پھولی ہوئی مجرم نمودار ہوا اور آتے ہی حضرت عمرؓ کے سامنے سلام پیش کیا اور کہا کہ آپؓ خدا اور رسول ﷺ کا حکم بجالائیں میں حاضر ہوں۔آپ حضرت ابوذرؓ نے کہا کہ اے امیر المومنینؓ خدا کی قسم میں جانتا بھی نہیں کہ یہ شخص کون ہے اور کہاں کا رہنے والا ہے مگر جب سب کو چھوڑ کر مجھے اس نے ضامن بنایا تو میں انکار نہ کر سکا اور اس کے بشرے نے یقین دلایا کہ یہ اپنے عہد کا سچا ہوگا۔اس لئے ضمانت دے دی۔اِس نوجوان کے آتے ہی حاضرین میں ایک غیر معمولی جوش پیدا ہو گیا تھا کہ دونوں مدعی نوجوانوں نے خوشی میں آ کر عرض کیا امیر المومنینؓ ہم نے اپنے باپ کا خون معاف کر دیا سب کی طرف سے ایک نعرہ مسرت بلند ہوا اور حضرت عمر فاروقؓ کا چہرہ بھی چمکنے لگا اور فرمایا مدعی نوجوانوں تمہارے باپ کا خوں بہا میں بیت المال سے ادا کروں گا انہوں نے عرض کیا امیر المومنینؓ ہم اِس حق کو خالص اللہ کی خوشنودی کے لئے معاف کر چکے ہیں اب ہمیں کچھ لینے کا حق نہیں رہا اور نہ لیں گے یہ ہے ایفائے عہد اور یہ ہے اس کی برکت۔اللہ تعالٰی سے دعا ہے کہ وہ ہم سب مسلمانوں کو ایفائے عہد کرنے کی توفیق عطاء فرمائے۔آمین

مسلمانوں کی ہجرت حبشہ

(عبدالرشید ساہی)

مسلمانوں کا ایک قافلہ جس میں 85 مرد اور 17 عورتیں شامل تھیں کفار کی اذیت اور تشدد سے تنگ آ کر حبشہ کی طرف ہجرت کر گئیں ان کو وہاں پر امن فضا میسر آئی تو وہ اطمینان سے اسلام کے تقاضوں کے مطابق زندگی بسر کرنے لگے لیکن دشمنان حق کو یہ کیسے گوارہ ہو سکتا تھا کہ مسلمان چین اور آرام سے زندگی بسر کریں۔ کفار نے ایک مجلس میں سارے معاملہ پر غور کر کے منصوبہ بنایا کہ شاہِ حبش سے جا کر بات کی جائے اور مہاجرین کو واپس لایا جائے اس مقصد کیلئے انہوں نے عبداللہ بن ربیعہ اور عمرو بن العاص کو سفارت کے لئے مامور کیا اور ان کو شاہِ حبش اور درباریوں کے لئے تحائف دے کر حبش کی طرف روانہ کر دیا حبش پہنچ کر یہ لوگ درباریوں اور پادریوں سے سازش کرنے میں مشغول ہو گئے اور ان کو رشوتیں دیں ان کے سامنے معاملہ کی یہ صورت رکھی کہ ہمارے شہر میں چند سر پھرے لوگوں نے ایک مذہبی فتنہ اٹھا کھڑا کیا ہے اور یہ تمہارے مذہب کے خلاف بھی اتنا ہی خطرناک ہے جتنا ہمارے آبائی دھرم کے لئے۔ ہم نے ان کو نکال دیا تھا تو اب یہ یہاں آپ کی پناہ میں آن پڑے ہیں ان کو یہاں ٹکنے نہیں دینا چاہیے۔ اس مقصد میں آپ ہم سے تعاون کریں کفار کی اصل کوشش یہ تھی کہ دربار میں سارا قصہ زیر بحث نہ آنے پائے اور مہاجرین کو سرے سے بات کرنے کا موقع ہی نہ ملے۔ بادشاہ بات سن کر ایک طرفہ ہی ان کو ہمارے حوالے کر دے اسی مقصد کے لئے رشوت اور ساز باز کے طریقے اختیار کئے گئے تھے یہ لوگ جب درباریوں سے ساز باز کر چکے تو نجاشی کے سامنے تحائف لے کر پیش ہوئے پھر اپنی غرض بیان کی کہ مکہ کے اشراف نے ہمیں آپ کی خدمت میں اس لئے بھیجا ہے کہ آپ ہمارے آدمیوں کو ہمارے ساتھ واپس کر دیں۔ درباریوں اور پادریوں نے بھی ان کی تائید کی

مگر نجاشی نے یک طرفہ دعوے پر کاروائی کرنے سے انکار کردیا اور صاف کہا کہ ان لوگوں سے دریافت احوال کئے بغیر میں ان کو تمہارے حوالے نہیں کرسکتا۔(یہ نقطہ یہاں انصاف کے ایوانوں کے لئے قابل غور ہے جنہوں نے اسلامی جمہوریہ پاکستان میں ظلم اور بربریت کا طوفان کھڑا کر رکھا ہے مظلوم ظلم کے بوجھ تلے کراہ رہے ہیں)۔دوسرے دن دربار میں دونوں فریق طلب کئے گئے مسلمانوں کو جب طلبی کا پیغام ملا تو ان کے درمیان مشورہ ہوا کہ بادشاہ عیسائی ہے اور ہم لوگ عقیدہ کے لحاظ سے اس سے اختلاف رکھتے ہیں تو آخر کیا کیا جائے لیکن فیصلہ یہی ہوا کہ ہم دربار میں وہی کچھ کہیں گے جو کہ خدا کے محبوب نبی ﷺ نے ہمیں سکھایا ہے اور اس میں ایک سرمو فرق نہ لائیں گے۔جو ہو سو ہو۔اندازہ کریں کہ ان لوگوں کا ایمان کتنا محکم تھا اتنے سنگین حالات میں حق اور راستی پر قائم رہنے کا عزم خدا کی دین ہے علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں:

آئین جواں مرداں حق گوئی و بے باقی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

جب یہ حضرات دربار میں پہنچے تو مقررہ آداب کے مطابق نجاشی کو سجدہ کرنے سے اجتناب کیا درباریوں نے اس طرز عمل پر برا منایا اور سوال کیا گیا کہ آخر تم لوگوں نے سجدہ کیوں نہیں کیا۔حضرت جعفرؓ نے پوری جرات سے جواب دیا کہ ہم لوگ سوائے اللہ کے کسی کو سجدہ نہیں کرتے غور کریں کن نازک حالات میں بچی توحید کا یہ انقلابی مظاہرہ کیا جا رہا تھا حریف جس طاقت کے سامنے چاپلوسی کر رہے تھے یہ لوگ اس کے روبرو اصول پسندی اور خودداری کا رنگ دکھا رہے تھے علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں:

ہزار خوف ہوں لیکن زباں ہو دل کی رفیق
یہی ازل سے رہا ہے قلندروں کا طریق

اب سفارت مکہ نے اپنا دعویٰ پیش کیا کہ یہ مہاجرین ہمارے بھگوڑے مجرم ہیں انہوں نے ایک نیا دین گھڑ لیا ہے اور ایک تخریبی طوفان اٹھا کھڑا کیا ہے لہٰذا ان کو ہمارے حوالے کیا

جائے نجاشی نے مسلمانوں سے پوچھا کہ یہ کیا معاملہ ہے حضرت جعفرؓ مسلمانوں کی طرف سے ترجمان بن کے اٹھے اور نجاشی کی اجازت سے سفارت مکہ سے چند سوالات پوچھے۔

حضرت جعفرؓ: کیا ہم کسی کے غلام ہیں جو آقاء سے بھاگ کر آئے ہیں؟

عمرو بن العاص: نہیں یہ کسی کے غلام نہیں، آزاد شرفاء ہیں۔

حضرت جعفرؓ: کیا ہم کسی کو ناحق قتل کر کے آئے ہیں؟

عمرو بن العاص: نہیں انہوں نے خون کا ایک قطرہ بھی نہیں بہایا۔

حضرت جعفرؓ: کیا ہم کسی کا کچھ مال لے کر بھاگے ہیں؟

عمرو بن العاص: نہیں ان کے ذمہ کسی کا ایک حصہ بھی نہیں۔

اس جرح سے جب مسلمانوں کی اخلاقی پوزیشن پوری طرح صاف ہوگئی تو شاہِ حبشہ کے دربار میں حضرت جعفرؓ نے یہ تقریر کی۔

"اے بادشاہ! ہم لوگ ایک جاہل قوم تھے۔ بت پوجتے تھے، مردار کھاتے تھے۔ بدکاریاں کرتے تھے۔ ہمسایوں کو ستاتے تھے۔ بھائی بھائی پر ظلم کرتا تھا قوی لوگ کمزوروں کو کھا جایا کرتے تھے اسی اثناء میں ہم میں ایک شخص پیدا ہوا جس کی شرافت، سچائی اور دیانتداری سے ہم لوگ پہلے سے آگاہ تھے اس نے ہم کو اسلام کی دعوت دی اور یہ دکھایا کہ ہم پتھروں کی پوجا چھوڑ دیں۔ سچ بولیں، خونریزی سے باز آئیں۔ یتیموں کا مال نہ کھائیں، ہمسایوں کو آرام دیں، عورتوں پر بدنامی کا داغ نہ لگائیں۔ نماز پڑھیں، روزے رکھیں، صدقہ دیں۔ ہم اس پر ایمان لائے شرک اور بت پرستی چھوڑ دی اور تمام اعمال بد سے باز آئے اس جرم میں ہماری قوم ہماری جانوں کی دشمن بن گئی اور ہمیں دوبارہ اسی گمراہی میں لوٹ جانے پر مجبور کیا جاتا ہے پس ہم اپنا ایمان اور جانیں لے کر آپ کی طرف بھاگ آئے ہیں اگر ہماری قوم ہم کو وطن میں رہنے دیتی تو ہم نہ نکلتے یہ ہے ہماری روداد۔

بات سچی ہو اور کہنے والا دلی جذبات کے ساتھ اسے کہے تو لازماً وہ اثر کرتی ہے

بقول شاعر:

بات جو دل سے نکلتی ہے اثر رکھتی ہے
پر نہیں طاقت پرواز مگر رکھتی ہے

شاہ حبشہ کا دل موم ہو گیا اس کو مسلمانوں پر ترس آ گیا کہنے لگا کہ جو کتاب آپ کے نبی ﷺ پر اتری ہے اس کا کوئی حصہ سناؤ چنانچہ حضرت جعفرؓ نے سورہ مریم میں سے تلاوت فرمائی ۔آیات الٰہی کو سن کر بادشاہ کے دل پر رقت طاری ہو گئی اس کی آنکھیں پرنم ہو گئیں وہ بے اختیار پکار اٹھا۔"خدا کی قسم یہ کلام اور انجیل مقدس دونوں ایک ہی چراغ کے دو پرتو ہیں" بلکہ ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ "محمد ﷺ تو وہی رسول ہیں جن کی خبر یسوع مسیح نے دی تھی ۔اللہ کا شکر ہے کہ مجھے اس رسول ﷺ کا زمانہ ملا ساتھ ہی فیصلہ دے دیا کہ مہاجرین کو واپس نہیں کیا جا سکتا کاروائی ختم ہو گئی اور مکہ والوں کی سفارت ناکام لوٹ گئی میاں محمد صاحب آف کھڑی شریف فرماتے ہیں

صدر نشین دیوان حشر دا افسر وچ اماماں
کل نبی محتاج اونہاں دے نفراں وانگ غلاماں

خوفِ الٰہی سے حاصل ہونے والے اوصاف

(ہارون یحییٰ)

اللہ کے نزدیک بلند مقام:

''تم میں سے زیادہ معزز اللہ کی بارگاہ میں وہ ہے جو تم میں سے زیادہ متقی ہے ۔ بے شک اللہ تعالیٰ علیم (اور) خبیر ہے۔'' (سورۃ الحجرات۔آیت:۱۳)

بلا شبہ اللہ کی قربت حاصل کرنے والے شخص، اس مقام تک اللہ کو حقیقی طور پر پہچانتے اپنے نیک اعمال، قرآن کی ہدایات پر عمل پیرا ہونے اپنے اعلیٰ کردار اور ایمان کی پختگی کے باعث ہی پہنچے گا اللہ کے خوف سے آگاہی کے بغیر کوئی شخص کردار اور اخلاق کی یہ صفات حاصل نہیں کرسکتا چنانچہ کسی شخص کے دل میں اللہ کے خوف کا درجہ ہی اللہ کے نزدیک اُس کے مقام کی سب سے بڑی نشانی ہے۔

صحیح اور غلط کا فرق سمجھنے کی صلاحیت:

''اے ایمان والو! اگر تم ڈرتے رہو گے اللہ سے تو وہ پیدا کردے گا تم میں حق و باطل کی تمیز کی قوت اور ڈھانپ دے گا تم سے تمہارے گناہ اور بخش دے گا تمہیں اور اللہ بڑے فضل و کرم والا ہے۔'' (سورۃ الانفال۔آیت:۲۹)

صحیح اور غلط میں تمیز کی صلاحیت اور اس کی وجہ سے حاصل ہونے والی فہم و فراست دراصل اس دنیا میں کسی بھی مومن کو ملنے والی عظیم اور اعلیٰ ترین نعمتیں ہیں ۔

اگر کسی کو صحیح اور غلط یا نیکی اور بدی کا فرق سمجھنے کی صلاحیت حاصل ہوجائے تو اس کی زبان سے ادا ہونے والا ہر لفظ اس کا ہر فیصلہ اور ردِّ عمل ...بصیرت سے بھرپور اور صحیح ہوگا۔

چونکہ اللہ سے ڈرنے والا شخص فوراً صحیح اور غلط کا فرق سمجھ سکتا ہے' اس لئے وہ جو بھی کرے گا اس بات کا خیال رکھتے ہوئے کرے گا کہ اللہ کے نزدیک کونسا عمل مقبول اور پسندیدہ ہے۔ وہ مذبذب ،غیر یقینی تامل ،الجھن کا شکار نہیں ہوگا ،جبکہ اس کے بالکل برعکس جن لوگوں کو صحیح اور غلط میں تمیز کی صلاحیت حاصل نہیں ان کا انجام تباہی و بربادی ہے۔ اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

اللہ کی رحمت سے دوگنا اجر:

''اے ایمان والو! تم ڈرتے رہا کرو اللہ سے اور سچے دل سے ایمان لے آؤ اس کے رسول (مقبول) پر، اللہ تمہیں عطا فرمائے گا دو حصے اپنی رحمت سے اور بنا دے گا تمہارے لیے ایک نور جس کی روشنی میں تم چلو گے اور بخش دے گا تمہیں۔ اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔''

(سورۃ الحدید۔ آیت: ۲۸)

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں اپنے ان تمام بندوں سے جو اس سے ڈرتے اور پرہیز گاری اختیار کرتے ہیں ،وعدہ فرماتا ہے کہ ان کی زندگیوں کو دین و دنیا کی نعمتوں سے بھر دے گا، جیسے کہ قرآن کی اس آیت میں واضح کیا گیا ہے:

ترجمہ: ''راضی ہو گیا اللہ تعالیٰ ان سے اور راضی ہو گئے وہ اللہ تعالیٰ سے۔''

(سورۃ المائدہ۔ آیت: ۱۱۹)

ایک سچے مسلمان کیلئے اس سے بڑھ کر اور کوئی چیز اہم نہیں ہو سکتی کہ اللہ اس پر اپنی رحمت کا سایہ کئے رکھے۔ یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ اس دنیا میں اللہ ہمیں جتنی بھی خوشی، مال و دولت نعمتیں ،آرام اور تحفظ عطا کر دے مگر آخرت میں خوف خدا رکھنے والے اس اللہ کی کبھی نہ ختم ہونے والی رحمت سے فیض یاب ہوں گے اور انہیں وہ عظیم نعمتیں عطا ہوں گی جن کا دنیاوی نعمتوں سے کسی طور پر بھی موازنہ نہیں کیا جا سکتا۔

شرف قبولیت پانے والی عبادت:

ترجمہ: ''اور آپ پڑھ کر سنایئے انہیں خبر، دو فرزندان آدم کی ٹھیک ٹھیک۔ جب دونوں نے قربانی دی تو قبول کی گئی ایک سے اور نہ قبول کی گئی دوسرے سے (اس دوسرے نے کہا کہ قسم ہے! میں تمہیں قتل کر ڈالوں گا۔ (پہلے نے) کہا (تو بلاوجہ ناراض ہوتا ہے) قبول فرماتا ہے اللہ صرف پرہیز گاروں سے۔'' (سورۃ المائدۃ۔آیات:۲۷)

اس آیت میں حضرت آدم علیہ السلام کے فرزند فرماتے ہیں کہ اللہ اسی کی قربانی قبول فرماتا ہے جو اس سے ڈرتا ہے جو شخص اللہ کا خوف نہیں رکھتا وہ اصل میں اللہ کی حاکمیت اعلیٰ کو صحیح طور پر پہچاننے کے قابل نہیں ہوتا اور وہ اس احترام کو محسوس نہیں کر پاتا جو اسے اللہ پاک کیلئے محسوس کرنا چاہیے۔ چنانچہ اللہ کے وجود کے بارے میں غیر حقیقی عقیدہ اور اس کے نتیجے میں اخلاق و کردار کی واضح بدعنوانیوں کے باعث ایسے لوگوں کی کوششوں کی اللہ کی نظر میں کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ ہر چیز سے زیادہ اس بات کو اہم قرار دیتا ہے کہ کسی شخص کا کردار رضائے الٰہی کی جستجو اور اللہ کے خوف کی آگاہی پر استوار ہو۔ اللہ کے بتائے ہوئے اس اصول کو جھٹلانے والے کسی بھی دوسرے طریقے کا انجام بلاشبہ مایوسی ہی ہوگا جیسا کہ قرآن میں ارشاد ربانی ہے:

ترجمہ: ''تو کیا وہ شخص جس نے بنیاد رکھی اپنی عمارت کی اللہ کے تقویٰ پر اور اس کی رضا جوئی پر بہتر ہے یا وہ جس نے بنیاد رکھی اپنی عمارت کی وادی کے کھوکھلے دہانے کے کنارے پر جو گرنے والا ہے۔ پس وہ گر پڑا اسے لیکر دوزخ کی آگ میں۔ اللہ تعالیٰ راہ حق پر نہیں چلاتا ظالم قوم کو۔''

(سورۃ التوبہ۔آیت:۱۰۹)

یہ قطعی ناممکن ہے کہ جو لوگ اللہ کے ڈر سے آگاہی نہیں رکھتے اور جن کا کردار شرمناک ہے ان کی عبادت اتنی مخلصانہ اور پر خلوص ہو جتنی کہ اسے ہونا چاہیے ایسے لوگوں کے ہر عمل یا عبادت میں

،دکھاوے،دوسروں کو متاثر کرنے یا خود کو دوسروں سے اچھا ثابت کرنے کی خواہش کارفرما ہوگی چنانچہ وہ اپنی ساری زندگی میں جو کچھ بھی کریں اس کی کوئی اوقات نہیں ہوگی جب تک وہ حقیقی طور پر اللہ سے رجوع کر کے اپنے طرزِ عمل کو تبدیل نہ کرلیں۔

معاملات میں آسانی:

ترجمہ: ''اور جو اللہ سے ڈرتا رہتا ہے، اللہ تعالیٰ دور کر دیتا ہے اس کی برائیوں کو اور روز قیامت اس کے اجر کو بڑا کر دے گا۔'' (سورہ طلاق ۔آیات:۴)

اللہ پاک ان سچے ایمان والوں کو جو اللہ کی ناراضگی سے بچتے اور اللہ کی مقرر کردہ حدود کا خیال رکھتے ہیں اپنی رحمت پناہ اور مدد سے نوازے گا وہ ان کے ہرارادے کیلئے راہیں کھول دے گا۔ایک اور قرآنی آیت کے الفاظ میں:

''اور ہم سہل بنادیں گے آپ کیلئے اس آسان (شریعت) پر عمل۔'' (سورۃ الاعلیٰ ۔آیت:۸)

اللہ اپنے بندوں کیلئے ہر طرح سے معاملات کو آسان بنادے گا، دنیاوی طور پر بھی اور دینی طور پر بھی۔

اللہ مشکل میں راہ فراہم کرتا ہے:

ترجمہ: ''اور جو (خوش بخت) ڈرتا رہتا ہے اللہ تعالیٰ سے، بنا دیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کیلئے نجات کا راستہ۔'' (سورہ طلاق ۔آیت:۲)

اللہ کے نیک اور پرہیز گار بندوں کیلئے کوئی بھی صورتحال ایسی نہیں ہوتی جس کا کوئی حل نہ ہو یا جس پر غالب نہ آیا جائے۔اللہ تعالیٰ کے کرم سے وہ مشکل پر اپنی عقل اور سمجھ استعمال کر کے قابو پا سکتے ہیں جو اسی (اللہ) نے انہیں عطا کی ہے۔یہاں تک کہ بظاہر انتہائی پیچیدہ نظر آنے والی صورتوں میں بھی اللہ پاک بالآخر انہیں کوئی نہ کوئی راستہ دکھادے گا اور جب بھی انہیں مشکلات پیش آئیں گی، وہ خود کو تنہا نہیں پائیں گے۔یہ ایمان والوں سے اللہ کا وعدہ ہے۔

اللہ ان کی غلطیوں کو مٹاتا، انہیں معاف فرماتا اور ان کے اجر کو دوگنا کر دیتا ہے:

ترجمہ: ''یہ اللہ کا حکم ہے جو اس نے تمہاری طرف نازل کیا ہے اور جو اللہ سے ڈرتا رہتا ہے اللہ تعالیٰ دور کر دیتا ہے اس کی برائیوں کو اور (روز حساب) اس کے اجر کو بڑا کر دے گا۔''

(سورہ طلاق۔ آیت:۵)

مرنے کے بعد جب لوگوں کو اعمال کے حساب کیلئے بلایا جائے گا تو ایمان والوں کیلئے حساب کا یہ عمل آسان ہوگا۔ یہ اس لیے کہ ایمان والوں نے زمین پر اللہ کی ہدایات کی روشنی میں زندگی گزاری ہوگی جس نے انہیں تخلیق کیا، یقیناً ان سے بھی غلطیاں ہوئی ہوں گی۔ ہوسکتا ہے ان سے گناہ بھی سرزد ہوگئے ہوں مگر اللہ تعالیٰ جو لامحدود رحمت کا مالک ہے، قرآن میں فرماتا ہے کہ وہ اللہ انہیں معاف فرما دے گا:

ترجمہ: ''آپ فرمایئے، اے میرے بندو! جنہوں نے زیادتیاں کی ہیں اپنے نفسوں پر مایوس نہ ہو جاؤ اللہ کی رحمت سے یقیناً اللہ تعالیٰ بخش دیتا ہے سارے گناہوں کو بلاشبہ وہی بہت بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔'' (سورۃ الزمر۔ آیت:۵۳)

چنانچہ وہ لوگ جنہیں اللہ نے معاف فرمادیا ہے انہیں آخرت میں اپنے اعمال کے بدلے اس سے بھی بڑھ کر اجر ملے گا: انہیں ایسے باغ میں داخل کیا جائے گا جو ان گنت نعمتوں سے بھرا ہوگا۔ اللہ کی عظیم رحمت سچے مومنوں کو اس دنیا میں بھی فیضیاب کرے گی۔ ان کی پرہیز گاری، اللہ سے مضبوط تعلق اور نیک اعمال کی وجہ سے ان کے مخلصانہ اور عاجزانہ کردار کا اجر کئی گنا بڑھا دیا جائے گا۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ صرف اس زندگی ہی کے عوض ان پر اللہ کی عبادت اور فرمانبرداری واجب ہے، جو اُس (اللہ) نے انہیں اپنی دیگر بے شمار نعمتوں کے ساتھ عطا کی ہے۔ اللہ اپنی وسیع رحمت کی وجہ سے انہیں (سچے مومنوں کو) ان کے اعمال اور اللہ سے ڈرتے رہنے کے صلہ میں ناقابل مثال رحم اور فیض سے نوازے جانے کا مستحق قرار دیتا ہے۔

تکریم انسانیت

(پروفیسر ڈاکٹر محمد شبیر شاھد ھوتوانی)

انسان قرآن کے مطابق اللہ تعالیٰ کی بہترین مخلوق ہے جسے اس نے شعور اور عقل کی نعمت سے نوازا ہے، بحیثیت انسان ہر شخص کی تکریم لازمی ہے اور وہ قابل احترام ہے۔ اس اکرام کی وجہ وہ تفخیخ روح بھی ہے جو تخلیق انسانی کے وقت اللہ تعالیٰ نے انسان میں پھونکی۔ یہی نفخ روح انسان کو حیوان ناطق کے درجے سے اُٹھا کر شرفِ انسانیت بخشتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کی تعلیمات کا محور تکریم انسانیت تھا۔ انسان جو مختلف منصب و مقام پر فائز ہے، مثلاً بطور انسان، مسلمان مومن، فقیر (درویش) اللہ والا کیا کچھ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان جو مسجودِ ملائکہ ہے پر کئی ذمہ داریوں کا بوجھ ڈالا ہے۔ کیا ہم ان سب ذمہ داریوں کو بخوبی و احسن طریق سے انجام دے رہے ہیں؟ غور و فکر، تدبر و تفکر کرنے کا ہمارے پاس وقت ہے؟ کیا ہم فرض نماز کو صحیح معنوں میں ادا کرتے ہیں! کیا ہماری نماز حضوری والی ہے! یا فرض سمجھ کر ادا کر کے ایک طرف ہو جاتے ہیں۔ کیا اس کے کلی و جزوی یا وقتی اثرات کے فوائد سے مستفیض ہو رہے ہیں یا صرف عادت اور ٹکروں کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔!! بہر حال ہم اس معاملے میں کافی لاپرواہ ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا احسانِ عظیم ہے کہ اس نے انسان بنا کر عقل و شعور عطاء کر کے صحت و تندرستی والا صحیح سالم جسم عطاء فرمایا، مزید براں اس نے مسلمان گھرانے کا ماحول دے کر نبی آخر الزماں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا اُمتی بنایا اور ان گنت نعمتوں سے نوازا جن کا احسان نہیں جتلایا البتہ ایک احسان کا خصوصی ذکر فرما کر احسان جتلایا ہے کہ میں نے تمہیں اپنے محبوب ﷺ کا اُمتی بنایا بے شک ہم مسلمان ہیں یہ الگ بات ہے کہ نام کے مسلمان ہیں۔ ہم قرآن حکیم کے احکامات

اسوۂ رسول ﷺ پر چل کر پکے مسلمان اور مومن بن سکتے ہیں۔ ربّ کریم کی طرف سے ہمیں اپنی پہچان اور حضور پاک ﷺ کی محبت کے حصول کیلئے، قرب ولقاء اور معرفت الٰہی تک رسائی کے لئے سلسلہ عالیہ توحیدیہ کی صورت میں تحفہ ملا کہ ہمارے مقدر میں اللہ تعالیٰ نے لکھ دیا کہ فلاں فلاں میری معرفت ولقاء کے جذبے سے سرشار ہو کر محنت وتگ ودو کر کے میرے قرب کی خواہش کریں گے۔

شہ رگ تو بہت دُور ہے اے جانِ تمنّا

آ میرے قریب اور قریب اور قریب آ

خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے سلسلہ عالیہ کی بنیاد رکھی، ان کا لگایا ہوا پودا تناور درخت بنتا جا رہا ہے بلکہ پھول پھل سے لدا ہوا ہے۔ اب ہماری اپنی کوشش ہے کہ ہم کتنا اور کیسے اس سے استفادہ حاصل کرتے ہیں۔ اگر ہم اپنی زندگی کو نیا موڑ دے کر انقلاب نہیں لائیں گے تو پھر کب انقلاب آئے گا۔

ہر گہر نے صدف کو توڑ دیا

تو ہی، آمادۂ ظہور نہیں

بس! اپنا محاسبہ کریں، دماغ کی ہرگز نہ مانیں بلکہ دل جو مسکن تجلی الٰہی ہے کا حکم مانیں۔ بانیٔ سلسلہؒ کی ہدایت کے مطابق بیعت نامہ کی روشنی میں اپنا جائزہ لیں۔

ایمان کا سفر آہستہ آہستہ طے ہوتا ہے اسے محکم کرنے کیلئے اللہ کا فضل وکرم چاہیے کہ یہ کامل ہو اور احسان کے مرتبہ تک پہنچے۔ یہ کٹھن راستہ ہے بغیر مرشد کے، منزل مشکل ہے، من کی صفائی بناء مرشد کے ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ اپنے ہادی ومرشد کے ہر حکم کی تعمیل بلا چون و چرا خوشی اور تندہی سے انجام دینا چاہیے، خواہ ان کے حکم کے مصالح اور منافع سمجھ سے بالاتر ہی کیوں نہ ہوں، بس! آنکھ بند کر کے عمل کئے جاؤ، اپنے مرشد کو دنیا کے باقی تمام زندہ بزرگوں سے زیادہ کامل سمجھنا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ کی محبت کو اہمیت اور اوّلیت دینا ہی مقصودِ حیات ہے۔اللہ تعالیٰ کی محبت، اطاعت،شکر اور خوف ورجاء کے جذبات سے ہر وقت اپنے دِل کو معمور رکھنا چاہیے۔اللہ تعالیٰ کی مخلوق سے بھی محبت اس لئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نشانی اور اس کی محبوب مخلوق ہے۔جس قدر اس کی مخلوق سے محبت ہوگی اللہ تعالیٰ سے محبت بڑھتی جائے گی۔جب تک حضورﷺ کی اطاعت محبت کے ساتھ اور اتباع نہ ہوگی اس وقت تک کوہرِ مقصود تک رسائی ناممکن ہے۔آپﷺ سے محبت کی جوت کیسے جلے گی جب تک رہبرِ سلسلہ سے عقیدت ومحبت نہ ہوگی۔محبت ہوگی تو ان کی بتائی ہوئی تعلیمات پر عمل بھی ہوگا۔

☆...... قرآن حکیم اللہ تعالیٰ کا فرمودہ پیغام ومعجزہ ہے۔اس کا ہر حکم قابلِ اطاعت اور اتباع ہے۔اس میں راہِ عمل متعین ہے اور اس پر عمل کرنے میں ہی ہماری دارین کی بھلائی ہے۔یہ کتاب ہدایت ہے۔زندگی کے ہر شعبے اور ہر گوشے کی راہنمائی قرآن میں موجود ہے۔قرآن پر ایمان و یقین کے ساتھ عمل ہی مسلمان،مومن اور درویش کی اصل اور بنیاد ہے۔

تجھے کتاب سے ممکن نہیں فراغ کہ تو
کتاب خواں ہے مگر صاحبِ کتاب نہیں

☆......اسلام امن وآشتی اور سلامتی کا دین ہے۔اسلام نے ہمیشہ امن،محبت کا درس دیا،انسان اُنس سے ماخوذ ہے جو محبت کے فروغ کی طرف اشارہ ہے۔یہ صرف مسلمان سے ہی نہیں بلکہ ہر مخلوق سے بھلائی کا درس دیتا ہے۔عالمگیر محبت اور صداقت اس کے زرّیں اصولوں کا درس دیتا ہے۔کسی ذی روح،ذی نفس وجان خصوصاً انسان کو جسمانی،ذہنی،مالی،جانی نقصان نہ پہنچانے کی ضمانت دیتا ہے۔ایک پکا مسلمان،توحیدی کسی بھی حالت میں سوائے غیرت ایمانی وعزت و وقار کے معاملہ کے،غصہ اور نفرت سے کوسوں دُور رہتا ہے۔یہ دونوں جذبات کسی نہ کسی صورت میں کسی انسان کو دُکھ،رنج،تکلیف یا نقصان پہنچانے کا ذریعہ بنتے ہیں۔

شفاء کی خوشبو

(حکیم طارق محمود الحسن خضری)

اللہ تعالٰی کی عطاء کردہ عظیم ترین نعمت ''صحت'' ہے جس کو بحال رکھنے اور امراض سے بچانے کے لیے ہمیں حفاظتی اور احتیاطی تدابیر کرنا ازحد ضروری ہیں۔ حفظان صحت کے اصولوں پر عمل کرنا اور علم غذا سے واقفیت ضروری ہے۔ غذا اور صحت کا نہایت قریبی تعلق ہے۔ ناقص غذا جسم انسانی کے تحفظ اور زندگی کی بقاء کیلئے بالکل ناکافی ہوتی ہے۔ ہمیں روزمرہ کی خوراک میں ایسی خوراک استعمال کرنی چاہیے جس میں قوت بخش اجزاء اور وٹامنز کافی مقدار میں ہوں تاکہ ہم بیماریوں سے محفوظ رہ سکیں اور جسم میں مدافعت امراض کی قوت پیدا ہو سکے وٹامنز غذاء کو جزو بدن بنانے میں زبردست معاون ہیں۔

وٹامن اے

وٹامن اے غذا کا جزو اعظم ہے، روزانہ غذا میں اس کی مناسب و متوازن مقدار میں موجودگی صحت انسانی پر غیر معمولی اثرات پیدا کرتی ہے۔ جسم تندرست توانا چہرہ تر و تازہ اور بارونق رہتا ہے۔ جلد چکنی، آنکھیں روشن اور چمکیلی رہتی ہیں۔ بچوں کی غذا میں وٹامن اے کی موجودگی قوت، چستی و طراری پیدا کرتی ہے جسم اور قد کی نشو نما میں وٹامن اے کا بے حد دخل ہے پھیپھڑے اور آنتوں کے امراض سے انسان کو محفوظ رکھتی ہے اور جلدی بیماریوں سے انسان کی حفاظت کرتے ہیں۔ غذاء میں وٹامن اے کی کمی صحت پر بری طرح اثر انداز ہوتی ہے۔ اوائل زندگی میں اگر وٹامن اے پوری مقدار میں جسم میں نہ پہنچ رہی ہو تو نشو و نما رُک جاتی ہے۔ وٹامن اے مرض کے مقابلے میں قوت کو بڑھاتی ہے اور یہ بدن میں مناسب مقدار میں موجود ہو تو متعدی امراض میں مبتلا ہونے کا اندیشہ کم ہوتا ہے۔ اس سے بینائی کو بھی قوت پہنچتی ہے اور اس کی

کمی سے بینائی میں خرابی اور خاص طور پر رات کو نظر نہ آنے کی شکایت ہو جاتی ہے اور بچوں میں ہڈیوں کی نشوونما میں نقص پیدا ہو جاتا ہے۔

ہڈیوں کے ٹیڑھے ہو جانے اور نرم پڑ جانے کا مرض بھی غذا میں وٹامن ''اے'' کی غیر موجودگی کا نتیجہ ہے۔وٹامن اے تمام حیوانی روغنوں میں اور دودھ دہی پنیر مکھن بالائی خالص گھی مچھلی چربی دار گوشت انڈے کی زردی مختلف قسم کے غلوں،سبزیوں اور ترکاریوں ٹماٹر گاجر مولی پالک میتھی سبز دھنیا بند گوبھی اور آلو میں خصوصیت سے پائے جاتے ہیں۔پھلوں میں سنگترہ مالٹا لیموں اناس اور آم میں کافی مقدار میں ملتی ہے۔کارڈلیور آئل وٹامن اے کا خزانہ ہیں۔اس سے وٹامن اے نہایت عمدہ اور اصلی حالت میں دستیاب ہو سکتے ہیں۔

وٹامن بی

وٹامن بی کا بھی تندرستی سے گہرا تعلق ہے۔جسم کے اعصاب (نروس سسٹم) اور دل و دماغ کے لیے ضروری ہے۔یہ وٹامن اعضاء کو مضبوط قوت ہاضمہ کو تقویت پہنچاتی اور بھوک لگاتی ہے۔اوائل عمر میں ہماری نشوونما کی بہترین مددگار ثابت ہوتی ہے۔چہرے پر تازگی بشاشیت اور جلد پر چکنائی اور ملائمت پیدا کرتی ہے۔جسم میں اس کی کمی اور غذا میں عدم فراہمی سے قلب اور اعصاب بہت زیادہ متاثر ہوتے ہیں۔اس کی کمی سے عصبی درد جسم میں چبھن،پٹھوں میں ایک قسم کی سوزش اور ورم کی شکایت ہو جاتی ہے اور بھوک نہیں لگتی ہے۔

روزانہ غذا میں اس کی شمولیت بے حد ضروری ہے اس کے استعمال سے آنتوں کا فعل صحیح رہتا ہے،کھل کر بھوک لگتی ہے۔وٹامن بی کے حصول کے لیے ان غذاؤں کا استعمال ضروری ہے اوکھلی کے صاف کیے ہوئے چاول،گیہوں،مکئی دالوں اور ان کے چھلکوں میں بہت ہوتی ہے ۔سبزیوں چھاچھ بادام پستہ کلیجی گوشت اور انڈے کی زردی میں وٹامن بی بکثرت ہوتے ہیں۔وٹامن بی پھلوں ساگ اور سبزیوں میں کافی مقدار میں پائی جاتی ہے۔دودھ دہی مکھن اور لسی وٹامن بی کا خزانہ ہیں۔

وٹامن سی

وٹامنز میں سے وٹامن سی بھی انسانی غذا کا بہت ضروری جزو ہے۔

طبی نقطۂ نظر سے غذا میں وٹامن سی کی موجودگی آنکھوں دانتوں اور مسوڑھوں کے امراض سے محفوظ رکھتی ہے۔خون کی کمزوری اور جسم کی لاغری کو رفع کرتی ہے۔جلدی بیماریاں فسادِ خون وغیرہ سے محفوظ رکھتی ہے۔ہڈیوں کی مضبوطی نشوونما اور بینائی کی محافظ ہے۔غذا میں اس کی کمی یا غیر موجودگی بہت سے امراض کا پیش خیمہ ثابت ہوتی ہے مثلاً ہڈیوں کے جملہ امراض وٹامن سی کی کمی سے پیدا ہوتے ہیں۔عموماً دانتوں کی خرابی اور بیماریوں کا بھی یہی باعث ہے۔ ان امراض سے محفوظ رہنے کے لیے وٹامن سی کے حصول کی تدابیر اختیار کرنی چاہیے، ایسی غذائیں استعمال کرنی چاہئیں جن سے خاطر خواہ وٹامن جسم انسانی کو مہیا ہو سکے۔

واضح رہے کہ ماں بننے والی عورتیں اور شیر خوار بچوں کی مائیں اور خواتین کی غذا میں وٹامن سی کے اجزاء معمول سے زیادہ درکار ہوتے ہیں کیونکہ یہی چیز صحیح معنوں میں بچے کی پرورش کرتی ہے۔اس کی کمی ماں اور بچے دونوں کی صحت پر بری طرح اثر انداز ہوتی ہے۔وٹامن سی خصوصیت سے نباتات سے ماخوذ ہے سبزیاں ترکاریاں اور پھل وٹامن سی کا مخزن ہیں مگر یہ بات ہمیشہ یاد رکھنی چاہیے کہ باسی گلے سڑے اور خشک پھلوں سبزیوں کے وٹامن بالکل ضائع ہو جاتے ہیں۔

وٹامن ای

وٹامنز میں سے وٹامن ای کا استعمال افزائش نسل کے لیے ضروری ہے۔مرد و عورت کے لیے فائدہ مند ہے۔اس کی غیر موجودگی نامردی اور بانجھ پن پیدا کرتی ہے۔اس سے جسم مضبوط اور وزن میں ترقی ہوتی ہے۔غذا میں اس کا باقاعدہ استعمال بہت سی اندرونی شکایتوں کو رفع کرتا ہے۔وٹامن ای کی مقدار متواتر غذا میں مہیا ہو تو جسم میں فولاد اور چونے کے اجزاء جذب کرنے کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے۔گیہوں، باجرہ، جو، چنا مختلف دالوں انڈے کی زردی

مچھلی، گوشت، گردے، دہی، پالک، ساگ، گاجر، مغز ہنولہ، سویا بین، پستہ بادام چلغوزہ، روغن زیتون مچھلی کا تیل، تلوں کا تیل وغیرہ میں وٹامن ای کے اجزاء عمدہ حالت میں پائے جاتے ہیں۔

وٹامن ای کی اور بھی بہت سی اقسام ہیں مگران کے لیے کسی خاص اہتمام کی ضرورت نہیں۔ اگر غذا میں مذکورہ وٹامنز کا خیال رکھا جائے تو جس خوراک سے بدن کو حسب ضرورت مذکورہ وٹامنز حاصل ہوتے ہیں۔ اسی سے دوسرے وٹامنز بھی بدن کو مہیا ہو جاتے ہیں۔

دعائے مغفرت

واہ کینٹ سے بزرگ بھائی (باباجان ڈار صاحبؒ کے مجاز)

افتخار احمد اعوان ولد چراغ دین اعوان

چوک اعظم سے بھائی مجاہد محمود کی پھوپھی صاحبہ

عبدالرشید ساہی صاحب کے چچازاد بھائی محمد نواز

باباجان یعقوب صاحب کے منجھلے داماد کاشف محمود صاحب کے والد

راولپنڈی سے بھائی شریف چیمہ کے بڑے بھائی غلام قادر چیمہ

لاہور سے بزرگ بھائی قبلہ انصاری صاحبؒ کے مرید نسیم صاحب

امریکہ میں مقیم بھائی امجد نواز صدیقی کے ماموں (سسر)

بقضائے الٰہی وفات پا گئے ہیں۔

(اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّـا اِلَیْہِ رَاجِعونَ)

مرحومین کی مغفرت اور بلندی درجات کیلئے دعا فرمائیں۔

بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی شہرہ آفاق تصانیف

کتاب ہذا بانی سلسلہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کے خطبات پر مشتمل ہے۔ جو آپ نے سالانہ اجتماعات پر ارشاد فرمائے اسمیں درج ذیل خصوصی مسائل پر روشنی ڈالی گئی۔ سلوک وتصوف میں ذاتی تجربات، مرشد کی تلاش کے دس سالہ دور کا حال۔ زوال اُمت میں اُمراء ،علماء، صوفیاء کا کردار۔ علماء اور صوفیاء کے طریق اصلاح کا فرق۔ تصوف خفتہ اور بیدار کے اثرات اور تصوّف کے انسانی زندگی پر اثرات۔ سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے قیام سے فقیری کی راہ کیونکر آسان ہوئی۔

وحدت الوجود کے موضوع پر یہ مختصر سی کتاب نہایت ہی اہم دستاویز ہے۔ مصنّفؒ نے وحدت الوجود کی کیفیت اور روحانی مشاہدات کو عام فہم دلائل کی روشنی میں آسان زبان میں بیان کردیا ہے۔ آپ نے جن دیگر موضوعات پر روشنی ڈالی ہے وہ یہ ہیں:۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ کا نظریہ وحدت الشہود، انسان کی بقاء اور ترقی کیلئے دین کی اہمیت اور ناگزیریت، بنیادی سوال جس نے نظریۂ وحدت الوجود کو جنم دیا اور روحانی سلوک کے دوران بزرگان عظّام کو ہوجانے والی غلط فہمیاں۔

سلسلہ توحیدیہ کی مطبوعات

قرونِ اولیٰ میں مسلمانوں کی بے مثال ترقی اور موجودہ دور میں زوال وانحطاط کی وجوہات، اسلامی تصوّف کیا ہے؟ سلوک طے کرنے کا عملی طریقہ، سلوک کا ماحصل اور سلوک کے ادوار، ایمان محکم کس طرح پیدا ہوتا ہے؟ عالم روحانی کی تشریح، جنت، دوزخ کا محل وقوع اوران کے طبقات کی تعداد، انسانی روح کی حقیقت کیا ہے؟ روح کا دنیا میں آنا اور واپسی کا سفر، اسلامی عبادات، معاملات، اور اخلاق وآداب کے اسرار ورموز اور نفسیاتی اثرات، امت مسلمہ کے لئے اپنے کھوئے ہوئے مقام کے حصول کیلئے واضح لائحہ عمل۔

یہ کتاب سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا آئین ہے۔ اس میں سلسلے کی تنظیم اور عملی سلوک کے طریقے تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ جو لوگ سلسلہ میں شامل ہونا چاہتے ہیں انہیں یہ کتاب ضرور پڑھنی چاہیئے۔ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے تصوف کی تاریخ میں پہلی مرتبہ فقیری کا مکمّل نصاب اس چھوٹی سی کتاب میں قلم بند کر دیا ہے۔ اس میں وہ تمام اوراد، اذکار اور اعمال واشغال تفصیل کے ساتھ تحریر کر دیئے ہیں جس پر عمل کر کے ایک سالک اللہ تعالیٰ کی محبّت، حضوری، لقاء اور معرفت حاصل کر سکتا ہے۔

Reg: CPL - 01
Website www.tauheediyah.com